بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیاد گار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ
مبارکپور

زیرِ سرپرستی:
عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ | فروری ۲۰۱۸ء | جلد نمبر ۴۲ شمارہ ۲

مجلس ادارت
مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی
نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی
منیجر: محمد محبوب عزیزی
تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت
مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی
مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی
مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور
اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY
Mubarakpur. Azamgarh
(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 25 روپے
سالانہ: 250 روپے

چیک اور ڈرافٹ
بنام
مدرسہ اشرفیہ
بنوائیں

کوڈ نمبر ——— 05462
دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149
الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092
دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ
500 روپے
دیگر بیرونی ممالک
$ 20 امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشـــــــــــمـــــــــــولات

اداریـــــــــه	گنبدِ خضریٰ اور مزارات پر حاضری: سعادت، برکت اور نعمت	مبارک حسین مصباحی	۳
	تحقیقات		
علمی تحقیق	علومِ اسلامی میں قابلِ اشاعت تحقیقی مقالے (دوسری قسط)	خورشید احمد سعیدی	۷
	فقهیات		
آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں.............	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۱
	نظریات		
فکـــــرِ امروز	تصحیح شدہ کنز الایمان کی اشاعت	مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری	۱۳
	اسلامیات		
شعاعیں	تعلیماتِ رضا کی روشنی میں قبروں کی زیارت	پروفیسر دلاور خان	۱۶
اصلاحِ معاشرہ	معاشرے کی چند خرابیاں	محمد نظام الدین قادری	۱۸
	عزیزیات		
یادیـــــــں	الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر اور حضور حافظِ ملت	کلیم اشرف رضوی	۲۱
نقوشِ زندگی	حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی حب الوطنی	مولانا فیاض احمد مصباحی	۲۳
	شخصیات		
انوارِ حیات	حضرت امام مسروق بن عبد الرحمٰن ہمدانی رضی اللہ عنہ	زین العابدین اشرفی	۲۵
	تاریخیات		
یادِ رفـــتـــه	مشرقی یوپی میں شوکتِ اسلامی کا ایک تاریخی مرقع (آخری قسط)	علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ	۳۰
	سیاسیات		
آئیـــنۂ وطن	ملک میں تعصب کا بڑھتا ہوا ماحول	محسن رضا ضیائی	۳۴
	بزم خواتین		
عالمی تناظر	اقوامِ عالم میں عورت کی حیثیت	ڈاکٹر غلام محی الدین سالک	۳۷
	بزمِ دانش		
فکر و نـــظـــر	خواجہ غریب نواز	مولانا محمد ساجد رضا مصباحی / مولانا محمد توفیق احسن برکاتی	۴۳
	ادبیات		
نـقــد و نـظــر	مقاماتِ والدین / معراجِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	تبصرہ نگار: ڈاکٹر حمایت جائسی، مولانا محمد عرفان قادری	۴۹
خیابانِ حرم	مناقب حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ	قاری نور الہدیٰ مصباحی / عبد العلی عزیزی / محمد طفیل احمد مصباحی	۵۱
	مکتوبات		
صدائے بازگشت	کلیم اشرف رضوی / مولانا محمد اختر علی واجد القادری / محمد وزیر احمد		۵۲
	سرگرمیاں		
خیر و خبر	تین طلاق کا مجوزہ قانون شوہر کو ناکردہ گناہ کی سزا / اعظم گڑھ میں عظیم الشان دینی پروگرام		۵۵

ادار یہ

گنبد خضریٰ اور مزارات پر حاضری

سعادت، برکت اور نعمت

مبارک حسین مصباحی

جلالۃ العلم، استاذ العلما، پیرِ طریقت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی قدس سرہٗ العزیز اپنے عہد کی عظیم شخصیت تھے، آپ کی ولادت بھوج پور ضلع مراد آباد میں بروز دوشنبہ ۱۳۱۲ھ ۱۸۹۴ء میں ہوئی، آپ ایک قوی الحافظہ حافظ قرآن، مستند قاری، بلند پایہ فاضل اور قابلِ صد افتخار مفتی تھے۔ تدریس وخطابت اور رشد وہدایت میں بھی آپ کی وسیع خدمات ہیں، آپ تصنیف و تالیف اور فتویٰ نویسی میں بھی بڑی اہمیت کے حامل تھے، ۱۹۶۸ء میں آپ نے تصویر سازی کے قانون کے باوجود بلا تصویر حج وزیارت کی سعادت حاصل فرمائی۔ خدمتِ خلق اور اخلاقی بلندی میں اپنی مثال آپ تھے، مزاج شناسی اور افراد سازی میں اپنے پورے عہد میں یکتائے روزگار تھے، مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور کو دار العلوم اشرفیہ اور پھر ۱۹۷۲ء میں الجامعۃ الاشرفیہ میں تبدیل فرمایا، آپ کے بلند پایہ تلامذہ ملک اور بیرون ملک تدریس، تبلیغ، تصنیف اور سیاست و صحافت میں عہد ساز خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کا وصال پر ملال مبارک پور میں یکم جمادی الاخریٰ دوشنبہ ۱۱/بج کر ۵۵/منٹ پر ۱۳۹۶ھ /۳۱/ مئی ۱۹۷۶ء میں ہوا۔ ہر سال دو روزہ عرسِ مبارک اسی تاریخ کی مناسبت سے منعقد ہوتا ہے جس میں ملک اور بیرون ملک کے لاکھوں شیدائی شریک ہوتے ہیں اور اکتسابِ فیض کرتے ہیں۔

بارگاہِ رسول میں حاضری کی سعادت:

اب ہم ذیل میں قرآن عظیم کی روشنی میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ اور اولیائے عظام کی بارگاہوں میں حاضری کی سعادت بھی ایک بڑی اور بہت بڑی سعادت مندی ہے۔ بارگاہ رسول ﷺ میں حاضری کی سعادت اور آپ ﷺ کے وسیلے سے اپنے گناہوں کی توبہ کے تعلق سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ﴿۶۴﴾. (سورہ نساء: آیت: ۶۴)

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے، اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمھارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول [ﷺ] ان کی شِفاعت فرمائے تو ضرور اللہ [تعالیٰ] کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں مطلق ارشاد فرمایا ہے، اس سے یہ شبہہ بھی دور ہوجاتا ہے کہ شاید یہ حیاتِ ظاہری کے لیے ہوگا، جب کہ بعض ناخدا ترس اور بعض گستاخان رسول یہ بھی بکتے ہیں، معاذ اللہ! معاذ اللہ!

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ سے یہ پورے طور پر واضح ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ قبول ہونے کے لیے رسول کریم ﷺ کا وسیلہ سب سے اہم اور سب سے قوی ذریعہ ہے۔ اس آیتِ کریمہ کی متعدّد تفسیروں کو ہم نے دیکھا، بارگاہ الٰہی میں اس کے حبیب ﷺ کا بلند مقام پڑھ کر دل ودماغ نے مزید گہرا اثر قبول کیا۔ اس ضمن میں اہلِ عشق ومحبت کے کثیر واقعات پڑھ کر روح تازہ ہوگئی۔ وصال مصطفیٰ ﷺ کے تین روز بعد ایک اعرابی بارگاہ رسول ﷺ میں حاضر ہوا، اس نے روضۂ مبارک کی خاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کرنے لگا، یارسول اللہ! جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا، آپ پر جو قرآن عظیم نازل ہوا، اس کی آیتِ کریمہ و لو انهم اذ ظلموا، الخ" بھی ہے۔ یارسول اللہ! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، معصیت ونافرمانی کی، اب آپ کے حضور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ اب آپ سفارش فرمائیے، آپ شفاعت فرمائیے۔ اس مقام پر حضرت صدر الافاضل صاحبِ خزائن العرفان لکھتے ہیں: "اس پر قبر شریف سے ندا آئی کہ تیری بخشش ہوگئی۔" اعرابی کے بارگاہ رسول میں حاضر ہونے کے وقت حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور دیگر بلند پایہ صحابۂ کرام بھی موجود تھے، انھوں نے خود اپنے کانوں سے سنا کہ قبر مبارک سے آواز آئی "قد غفر لك" اس روایت کو درجنوں اہم تفاسیر میں نقل کیا گیا ہے۔ حاصلِ گفتگو یہ ہے کہ انبیا اور اولیا کے مزاروں پر حاضر ہونا قرآن عظیم کی اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوگیا، نیز ان بزرگوں کے وسیلے سے بارگاہ الٰہی میں دعاؤں کی قبولیت کی سند بھی مل گئی۔

آپ حضرات یہ تو بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول ﷺ کو تمام رسولوں اور نبیوں میں ممتاز مقام عطا فرمایا ہے اور یہ بھی ایک سچائی ہے کہ

ہمارے آقا ﷺ آج بھی حیاتِ ظاہری کے ساتھ بلکہ اس سے کہیں زیادہ قوتِ تصرف اور علم غیب کے ساتھ اپنے روضۂ انور میں زمانے کو دیکھ رہے ہیں، ارشاد رسول کریم ﷺ ہے: "وَاللّٰہُ یُعْطِیْ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ" اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور میں بانٹتا بھی ہوں۔ اسی طرح سرکار ﷺ نے مزار اقدس سے متعدّد بار اپنے دستِ مبارک کو باہر نکالا، زائرِ خاص کے ساتھ عام زائرین کی قسمتیں بھی بدل گئیں۔ اس وقت ہمیں یاد آ رہے ہیں امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز۔ ان کا عشقِ رسول بھی شہرۂ آفاق ہے، آپ دو بار حج و زیارت سے شرف یاب ہوئے، پہلی بار بھی انھیں مواجہ شریف میں سرکار دوعالم علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، مگر دوسری بار جب حاضر ہوئے اور اسی امید کے ساتھ مواجہ شریف میں درود و سلام کا ورد کرتے رہے، مگر یہ ایک سچائی ہے جیسے جیسے عشق میں اضافے ہوتے ہیں، آزمائشِ عشق میں بھی اضافے ہونے لگتے ہیں، رات کے آخری پہر میں امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز نے یہ اشعار عرض کیے ۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں — تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ — تجھ سے کتّے ہزار پھرتے ہیں

ان اشعار میں جو شعری محاسن اور فصاحت کا بحرِ بے کراں ہے، اس پر اساتذۂ شعر و سخن گفتگو کرتے رہے ہیں، ہمارا مدعائے نگارش یہ ہے کہ امام احمد رضا جیسے عظیم عبقری مجدد نے جب اپنے آپ کو بارگاہ رسول ﷺ کا کتا کہا تھا تو ان کی آرزو اسی وقت پوری ہو گئی تھی، دونوں جہان کے مالک و مختار نے بیداری کے عالم میں اپنے غلام کو اپنی زیارت سے سرفراز فرما دیا۔

احادیثِ نبویہ سے زیارتِ قبور کا ثبوت:

اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ابتدائی دور میں قبروں پر جانے سے منع فرمایا تھا، مگر بعد میں آپ نے قبروں پر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور جب عام قبروں پر جانے کی اجازت ہے تو خود رسول کریم ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے مزارات پر جانے کی بدرجۂ اولیٰ اجازت ہے، اسی طرح صحابۂ کرام، اولیائے عظام اور علمائے ربانیین کے مزارات پر حاضری کے بھی بے شمار فضائل و مناقب ہیں۔ اب ہم ذیل میں اس حوالے سے چند احادیث نقل کرتے ہیں:

رَوَی اَبُوْ حَنِیفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بن مَرْثَدٍ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ: نَهَیْنَاکُمْ عَنْ زِیَارَةِ الْقُبُوْرِ وَقَدْ اُذِنَ لِمُحَمَّدٍ فِیْ زِیَارَةِ قَبْرِ اُمِّهٖ فَزُوْرُوْهَا وَلَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا. رواه ابو حنیفة.(۱)

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ علقمہ بن مرثد سے وہ سلیمان بن بریدہ سے اور وہ اپنے والد حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہم نے تمھیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا، محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنے کا اذن دے دیا گیا ہے، سو [اب] تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو اور بے ہودہ باتیں مت کیا کرو۔

یہ ہمارے آقا و مولا حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، آپ اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار اقدس پر بھی حاضر ہوتے، شہدا کی قبروں کو بھی نوازتے اور مدینہ منورہ کے جنت البقیع میں عام مومنوں کی قبروں پر بھی تشریف لے جاتے تھے، اس سلسلے میں آپ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ [کُلَّمَا کَانَ لَیْلَتُهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ] یَخْرُجُ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ اِلَی الْبَقِیْعِ، فَیَقُوْلُ: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِیْنَ، وَاَتَاکُمْ مَا تُوْعَدُوْنَ، غَدًا مُؤَجَّلُوْنَ، وَاِنَّا، اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالنِّسَائِیُّ.(۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ [کی جب میرے یہاں باری ہوتی تو آپ ﷺ] رات کے آخری پہر بقیع کے قبرستان میں تشریف لے جاتے اور [اہل قبرستان سے] فرماتے تم پر سلامتی ہو، اے مومنو کے گھر والو! جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، وہ تمھارے پاس آ گئی، کہ کل جسے ایک مدت کے بعد پاؤ گے اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ! بقیع غرقد [اہلِ مدینہ کے قبرستان] والوں کی مغفرت فرما۔"

---

(۱)-اخرجه الخوارزمی فی جامع المسانید للامام أبي حنیفة، ۲/ ۱۹۹.

(۲)-اخرجه مسلم فی الصحیح، کتاب الجنائز، باب: ما یقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، ۲/ ۶۶۹، الرقم: ۹۷۴

ان دونوں حدیثوں سے یہ واضح ہو گیا کہ قبروں اور بزرگوں کے مزاروں پر جانا خیر و برکت کا باعث ہے، اب سوال یہ ہے کہ ان اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ایصالِ ثواب کرنا کیا جائز ہے؟ بلاشبہہ نہ صرف جائز بلکہ بے شمار فضائل و مناقب اپنے اندر رکھتا ہے، ہم اس سلسلے میں بھی کچھ حدیثیں نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.(۳)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو کوئی فوت ہو جائے اور اس کے ذمے روزے [باقی] ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے وہ روزے رکھے۔"

وَفِيْ رِوَايَةٍ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُما وَاِنْ كَانَ عَلَيْهِ نَذْرٌ قَضٰى عَنْهُ وَلِيُّهُ، رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ فرمایا: اگر اس [فوت ہونے والے] پر کسی نذر کا پورا کرنا باقی ہو [جو اس نے مانی تھی] تو اس کی طرف سے اس کا ولی پوری کرے۔

اب بحث کا رخ یہ ہے کہ ایک انسان جب دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو خود اس کی کون سی چیزیں ہیں جن کا ثواب اس کو پہنچتا رہتا ہے، اس سلسلے میں بھی ذیل میں ایک حدیث رسول ﷺ ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّم، قَالَ: إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانَ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلَهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَو عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ.(۴)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے [ان کا اجر اسے برابر ملتا رہتا ہے] ایک وہ صدقہ جس کا نفع جاری رہے، دوسرا وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، تیسری وہ نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

گنبدِ خضریٰ اور مزاراتِ اولیا پر حاضری کی خوش بختیاں:

قرآن عظیم اور احادیثِ نبویہ کے چند دلائل کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ رسول اعظم ﷺ کے گنبدِ خضریٰ پر حاضری نہ صرف سعادت بلکہ ایک بندۂ مومن کے لیے قابلِ صد افتخار ہے۔ عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے زائر کی معراج اور جنتی ہونے کی ضمانت ہے۔ عشقِ رسول ﷺ کی یہ داستان تو صحابۂ کرام کی زندگیوں میں دیکھئے، انسانی دنیا میں عہدِ رسالت مآب ﷺ جیسا عشق و محبت سے پر نور کوئی دوسرا معاشرہ نظر نہیں آتا۔

دیوانگانِ عشق و محبت کو دیکھ کر   گھبرا گئی ہے گردشِ دوراں کبھی کبھی
گردن میں ہار ڈالے ہیں ماہ و نجوم نے   گزرا ہے ان حدوں سے مسلماں کبھی کبھی

اس مفہوم کی تو متعدد احادیث ہیں کہ آقا ﷺ فرماتے ہیں، جس نے میری قبر کی زیارت کی تو میری شفاعت اس کے لیے واجب ہو گئی، ان کے روضۂ اقدس پر عشاق کو کیا کچھ نہیں ملا اور آج کیا کچھ نہیں ملتا ہے، عہدِ رسالت سے لے کر آج تک مشائخ عظام اور علمائے ربانیین کے مزارات پر حاضر ہونے کا سلسلہ ہر دور میں جاری رہا ہے۔ یہ بھی ایک سچائی ہے کہ ان کی سفارش سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں۔ فیوض و برکات کے حصول کے تو لاکھوں شواہد ہیں، اور اس موضوع پر قرآن اور احادیث کے بے شمار دلائل موجود ہیں۔

یہ ایک واضح اور سچی حقیقت ہے کہ انبیائے کرام اور اولیائے کاملین اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اپنی اپنی قبروں میں اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی طاقت اور قوت سے تصرف بھی فرماتے ہیں بلکہ حق یہ ہے کہ جسمانی علائق جب ختم ہو جاتے ہیں تو ان کی روحانی قوتوں میں مزید اضافے ہو جاتے ہیں، یہ صرف ہمارے دعوے نہیں بلکہ اسلام کی مستند کتابوں میں بے شمار دلائل موجود ہیں، آج بھی دنیا میں بے شمار معجزات اور کرامات ہیں، جنھیں اہلِ دل بلکہ عوام بھی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں چند مشاہداتی کرامات پیش کرتے ہیں۔

بزرگانِ دین کی چند مشاہداتی کرامات:

(۱)- حضرت عبد اللہ شاہ غازی شہید قدس سرہ العزیز: آپ مدینہ منورہ میں ۹۹ھ/ ۷۲۰ء میں پیدا ہوئے، سمندر کے قریب مزار کے

(۳)-اخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب الصوم، باب: من مات و علیه صوم، ۲/ ۶۹۰، الرقم: ۱۸۵۱

(۴)-اخرجه مسلم فی الصحیح، کتاب الوصیة، باب: ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاته، ۳/ ۱۲۵۵، الرقم: ۱۹۳۱،

نیچے میٹھے پانی کا چشمہ ہے جو آپ کے چلہ گاہ میں بھی موجود ہے۔ لوگ دور دور سے آتے ہیں اور یہ پانی پی کر شفایاب ہوتے ہیں، آپ کے مزار پر ہر مذہب کے افراد ہوتے ہیں، زائرین کا کہنا ہے کہ ان کو یہاں آکر دل کو تقویت ملتی ہے اور مرادیں پوری ہوتی ہیں۔

آپ حق و صداقت کے لیے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے، آپ کا مزار اقدس کلفٹن، کراچی، پاکستان میں ہے۔ آپ تبع تابعین ہیں، آپ اہل بیعت میں سے بہت بڑے بزرگ ہیں۔ آپ ۷۶۰ء میں سندھ تشریف لائے تھے، آپ کی یہ کرامت اب شہرۂ آفاق ہے کہ کراچی سمندری طوفان سے محفوظ ہو گیا ہے، اب بحرِ ہند سے کبھی کوئی طوفان کراچی سے نہیں ٹکرایا۔

۲- حضرت شاہ ولایت امروہوی بچھوؤں والے بابا: مغربی اتر پردیش میں ایک تاریخی آبادی امروہہ کے نام سے ہے، راقم مبارک حسین مصباحی اس شہر میں متعدد بار حاضر ہوا۔ اس میں اہلِ سنت و جماعت کے بھی بڑے تاریخی مقامات ہیں، اسی شہر میں ایک مشہور بزرگ حضرت سید حسین شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اقدس ہے۔ صاحبِ مزار بزرگ کے طویل احاطۂ قبرستان میں بچھو بھی کثیر رہتے ہیں، مگر حضرت شاہ ولایت کے مزار اقدس پر رہنے والے ان بچھوؤں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس قبرستان میں کسی کو کاٹتے نہیں ہیں۔ ایک بار ہم نے خود اپنے ہاتھ میں ڈرتے ڈرتے لیا، مگر یہ یقین تھا کہ کاٹے گا نہیں اور واقعی اس نے ہاتھ پر چلنے کے باوجود نہ ڈنک مارا اور نہ کسی طرح تکلیف پہنچائی، مسئلہ صرف اتنا ہی نہیں کہ وہاں نہیں کاٹتا ہے، بلکہ کوئی بھی فرد تاریخ بتا کر اپنے ساتھ لے جائے، دوکان، مکان وغیرہ کسی بھی مقام پر رکھے، بچے عورتیں اور دیگر لوگ بھی اسے چھیڑیں تب بھی زہریلے سے زہریلا بچھو بھی نہ ڈنک مارتا ہے اور نہ کسی کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ یہ ایک بڑے بزرگ ہیں، ان کے مزار مبارک پر ہر طبقے کے لوگ حاضر ہوتے ہیں اور اپنے سر کی آنکھوں سے حضرت شاہ ولایت علیہ الرحمہ کی زندہ کرامت خوب دیکھتے ہیں، اگرچہ دنیا میں مزاروں پر جانے کو چند لوگ خلافِ شرع بھی کہتے ہیں اور بعض بد عقیدہ تو مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کہتے ہیں کہ وہ مر کر مٹی میں مل گئے۔ (نعوذ باللہ)

۳- حضرت قمر شاہ درویش، پتھر والے بابا: پونے، مہاراشٹر سے لگ بھگ ۲۲؍ کلومیٹر کے فاصلے پر شہنشاہ طریقت حضرت قمر شاہ درویش کا مزار اقدس شیواپور میں مرجعِ خلائق ہے، وہاں ہر روز شیدائی خاصی تعداد میں حاضر ہوتے ہیں، ان کی زندہ کرامت یہ ہے کہ ان کے مزار کے قریب بڑی چکی کے پاٹ کی طرح گول پتھر ہے، اس وزنی پتھر کے درمیان میں گول خلا ہے، اس پتھر کو طاق کی تعداد میں [یعنی ایک، تین، پانچ، سات، نو وغیرہ] لوگ انگلی کے ہلکے سے اشارے سے "یا قمر شاہ درویش" کہتے ہوئے اٹھاتے ہیں اور جب تک یہ کہتے ہوئے سانس چلتا ہے وہ پتھر بلندی کی جانب اٹھتا چلا جاتا ہے اور جب کسی ایک کی بھی سانس ٹوٹ جاتی ہے وہ پتھر زمین پر گر جاتا ہے، اسی کے ساتھ ان کی دوسری کرامت یہ ہے کہ پتھر گرنے سے آج تک کسی کو چوٹ نہیں لگی۔ ان کی یہ زندہ کرامت متعدد بار عملی طور پر ہم نے بھی دیکھی ہے، آخری بار ہم متعدد حضرات کے ساتھ پونے میں منعقد ہونے والے مجلس شرعی مبارک پور کے فقہی سیمینار کے موقع پر گئے تھے، اس موقع پر مزار شریف کے خدام نے نہ صرف حاضری کرائی بلکہ بڑی محبت سے ہمیں حضرت قمر شاہ درویش کے مزار مبارک کی بیش قیمت چادر بھی عطا فرمائی تھی، ان ذمہ داروں نے ہمارے وہاں کے امور سے فراغت کے بعد چائے ناشتہ کا بھی اہتمام فرمایا تھا، انھیں میں سے چند حضرات نے فرمایا کہ ہم لوگ خوش نصیبی سے پیر طریقت حضرت سید شاہ تنویر اشرف دامت برکاتہم العالیہ سے مرید ہیں، مگر افسوس مرید ہونے کے بعد سے آج تک حضرت کی زیارت نہیں ہوئی، آپ ان سے ہمارا سلام کہہ دینا، ہم نے ان سے عرض کیا کہ حضرت علامہ سید شاہ تنویر اشرف کچھوچھوی دامت برکاتہم العالیہ کو ہم خوب جانتے ہیں، ان کی تعلیم دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں ہوئی ہے۔ ان سے ملاقاتیں تو متعدد بار ہوئی ہیں، ایک بار انھوں نے ہمیں کچھوچھہ مقدسہ اپنے مدرسے کے اجلاس میں بھی مدعو فرمایا تھا اور بڑی محبتوں سے سرفراز فرمایا تھا، مگر افسوس ہم اس کے بعد چند ماہ تک کچھوچھہ مقدسہ حاضر نہیں ہو سکے اور حضرت بآں روحانی فضل و کمال دنیا سے تشریف لے گئے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کا روحانی سایۂ کرم ہمارے سروں پر تادیر سلامت رکھے۔

اس پوری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ جلالۃ العلم حضور حافظِ ملت نور اللہ مرقدہ کا عرس مبارک بھی مبارک پور میں بڑی عقیدت و محبت سے منعقد کیا جاتا ہے، ہندوستان کے چند اعراس کے بعد سب سے زیادہ علما اور مشائخ حضرت حافظِ ملت قدس سرہ العزیز کے عرس میں تشریف لاتے ہیں، اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں عام طور پر زیادہ تر علما اور مشائخ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے تعلیم یافتہ ہیں۔ عرس حافظِ ملت کے موقع پر انھیں روحانی غذا کے ساتھ اپنے مادرِ علمی کی زیارت بھی ہو جاتی ہے اور اپنے احباب اور بزرگوں سے شرف نیاز بھی حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو باعثِ کون و مکاں مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات سے مالا مال فرمائے، ان کی بارگاہِ اقدس میں بار بار حاضری کی سعادت نصیب فرمائے، ان کے طفیل تمام بزرگوں کے فیوض و برکات سے سرفراز فرمائے، آمین۔ ☆☆☆

علمی تحقیق

دوسری قسط

علومِ اسلامی میں

قابلِ اشاعت تحقیقی مقالے کے عناصرِ ترکیبی اور تقاضے

خورشید احمد سعیدی

عنوان کی عبارت کے ان اوصاف کے ساتھ ساتھ ایک قابلِ قبول عنوان کے متعدّد پہلو اور اُس کی خوبیاں بھی مدِ نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں معروف محقق ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں:

"عنوان سے مقالہ نگار کے تحقیقی مزاج اور تجزیاتی و تنقیدی ذہن کا اظہار ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے جامع اور معنویت کا حامل ہونا چاہیے اور مناسب ہے کہ یہ غیر ضروری الفاظ اور طوالت سے پاک، مختصر اور جاذبِ توجہ ہو۔ ... عنوان کے انتخاب میں اختصار اور الفاظ کا جامع و بامعنی استعمال بڑی اہمیت اور کشش رکھتا ہے اور عنوان کی جاذبیت ہی مقالے کو قابلِ توجہ بنا سکتی ہے۔"[1]

علوم اسلامیہ کے جو مقالہ نگار عربی زبان جانتے اور اسے پڑھنے لکھنے کی اچھی صلاحیت رکھتے ہیں انہیں عنوان کی عبارت کے بارے میں تفصیلی بحث کے لیے شریف حاتم بن عارف عَونی کی کتاب "العنوان الصحیح للکتاب: تعریفه وأهمیته، وسائل معرفته وإحکامه، أمثلة للأخطاء فیه"[2] کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت مفید ہے۔

عنوان کی عبارت کا مختصر، جامع، موثر اور جاذب نظر ہونا ایک بات ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ عنوان کی عبارت کے تقاضے اور مقالے کی مرکزی بحث میں موافقت اور مکمل ہم آہنگی ہونی چاہیے۔ اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد سجاد کہتے ہیں کہ عام پایا جانے والا مسئلہ یہ ہے کہ مقالہ نگار بعض دفعہ عنوان بہت عمدہ دیتے ہیں جس میں تحقیق کا پہلو بھی موجود ہوتا ہے لیکن مقالہ کی ساری بحث عنوان کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ یعنی بات سمجھ میں بالکل نہیں آتی کہ مقالہ نگار کیا کہنا چاہتا ہے؟ اوپر عنوان کچھ ہے اور نیچے متن بالکل اور ہے۔ کئی مقالات میں یہ چیزیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مثلاً ایک مقالہ کا عنوان تھا "عہد نبوی میں فقہ اسلامی کے مصادر"۔ یہ عنوان بہت ہی حیران کن ہے کہ خود عہد نبوی میں فقہ اسلامی کے مصادر کہاں پائے جاسکتے ہیں؟ مقالہ لکھنے والے ایک یونیورسٹی کے فُل پروفیسر تھے۔ انہوں نے یہ عنوان وضع کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فقہ کی تو تدوین ہوئی ہے دوسری یا تیسری صدی میں۔ اب یہ عنوان کہنا کیا چاہتا ہے؟ جب مقالہ پڑھا تو پتا یہ لگا کہ مقالہ نگار یہ بتانا چاہتا ہے کہ حضور ﷺ کے اُسوہ حسنہ اور آپ کے عمل سے فقہ اسلامی کی کون کون سے نظیریں ملتی ہیں۔[3]

ڈاکٹر محمد سجاد کی بات بالکل درست ہے۔ راقم الحروف کا اپنا تجربہ بھی ان کی تائید کرتا ہے کہ عنوان اگرچہ بہت عمدہ ہوتا ہے لیکن مقالہ نگار جس میدان میں یا جس موضوع پر لکھ رہا ہوتا ہے اسے پیش نظر نہیں رکھتا۔ عنوان اور اُس کے تحت پیش کردہ معلومات میں معقول اور مطلوب ہم آہنگی نہ پائی جائے تو پڑھنے والا اُس سے متنفر ہو جاتا ہے۔ ایسے مقالات کیسے چھپ سکتے ہیں؟ اس لیے اولین چیز عنوان ہے۔ اُسے واقعی دقت نظر سے دیکھا جائے کہ کیا مقالے کے منہج اور عنوان میں ہم آہنگی اور مطابقت ہے یا نہیں؟ مقالہ نگار اس نکتے پر دھیان دیں گے تو اُن کے مقالے کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوگا۔

مقالہ کا عنوان لکھتے وقت تیسری اہم بات جس سے مقالہ نگار کو غافل نہیں ہونا چاہیے، یہ ہے کہ عنوان کی عبارت کو دو حصوں میں لکھنا بہتر ہوتا ہے۔ پہلے حصّے میں موضوع کے بڑے یا وسیع پہلو کو پیش کیا جاتا ہے جب کہ دوسرے حصے کے الفاظ سے موضوع کی حدود اور

۱۔ معین الدین عقیل، پروفیسر ڈاکٹر، اُردو تحقیق: صورت حال اور تقاضے، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ط ۱، ۲۰۰۸ء)، ص ۳۹۸ و ۴۰۰۔

۲۔ الشریف حاتم بن عارف العوني، العنوان الصحیح للکتاب: تعریفه وأهمیته، وسائل معرفته وإحکامه، أمثلة للأخطاء فیه، دار عالم الفوائد للنشر والتوزیع، مكة المكرمة، ط ۱، 1419ھ۔ اسے انٹرنیٹ سے ڈاؤن لوڈ کرنے کا ایک لنک یہ ہے:

http://waqfeya.com/book.php?bid=701

۳۔ محمد سجاد، ڈاکٹر، ذاتی انٹرویو، حوالہ مذکور۔

لیکچرر شعبہ تقابل ادیان، فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان

تخصیص کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس دوسرے حصّے کو بعض لوگ کولن (:) کے بعد اور کچھ لوگ چھوٹی بریکٹ یعنی () میں لکھتے ہیں جیسا کہ خود زیر نظر مقالہ کے عنوان کی عبارت دو اجزاء میں تقسیم ہے۔ عنوان کی عبارت کو اس طرح دو حصوں میں لکھنے سے موضوع پر کام کا حدود اربعہ اور منہج آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں۔ مقالہ نگار عنوان کی عبارت کے ذریعے اپنے کام کی نوعیت، اس کی حدود اور افادیت سمجھانے میں اگر کامیاب ہو جائے تو اگلے مَراحل میں کامیابی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

(۳)۔مقالے کا انگریزی میں خلاصہ:

مقالے کے موضوع کی نوعیت اور ماہیت ایک فکری، نظری، ذاتی ترجیح اور ابلاغی معاملہ ہے جس کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔اس کے بعد مقالے کی جو چیز سب سے پہلے ماہر مضمون (Reviewer) کی نظروں میں آتی ہے وہ اُس کا انگریزی زبان میں لکھا خلاصہ (Abstract) ہوتا ہے۔یہ ملخص ایسی عبارت میں پیش کیا جائے جس کے جملے بہت طویل اور گنجلک نہ ہوں۔اس میں مناسب جگہوں پر فل سٹاپ، کامے، سیمی کولن، قوسین وغیرہ رموز او قاف لگائے جائیں۔طویل جملے اور پیچیدہ تراکیب آسانی سے قارئین کی سمجھ میں نہیں آتے ہیں۔جس خلاصے کا پیغام قارئین تک نہ پہنچ سکے اس کی کوئی افادیت نہیں ہوتی ہے۔اس میں اسپیلنگ اور انگریزی گرامر کی غلطیاں بالکل نہ ہوں۔سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ (Abstract) اپنے مقالے کے تمام اہم نکات کی مناسب تلخیص بھی ہو۔مقالہ نگار کو اس طرف پوری توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

مقالے کے (Abstract) کی ساخت، انداز اور مقصد کے بارے میں ڈاکٹر محمد سجاد کہتے ہیں کہ: بعض دفعہ تلخیص (خلاصہ) میں لوگ اپنے مقالے کے مندرجات کو دوبارہ بیان کر دیتے ہیں۔جبکہ تلخیص سے مراد یہ ہے کہ اس مقالے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کو ایک بیانیہ انداز میں لکھ دیا جائے۔مقالہ نگار کیا کرتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں نے یہ لکھا ہے، میں نے وہ لکھا ہے، میں نے یہ کیا ہے۔یہ تلخیص نہیں ہے۔یہ Abstract نہیں ہے بلکہ آپ مقالے کی ایک outline دے دیں۔مقالے کے مرکزی نکات کا خلاصہ اور مضمون بیان کر دیں۔اسے Abstract کہتے ہیں۔تاکہ کوئی آدمی اگر آپ کا پورا مقالہ نہیں پڑھنا چاہتا۔اس کے پاس تھوڑا وقت ہے تو آپ مقالے کا بنیادی سوال بیان کر دیں، اس کا جواب کیا دیا ہے اور نتیجہ کیا نکالا ہے؟ یہ بتا دیں تو یہی سمری ہے۔

(۴)۔تمہید اور مقدمہ کے اجزائے ترکیبی:

مقالے کے موضوع پر مرکزی بحث سے پہلے مقالہ نگار کو اپنی بحث کی بہتر تفہیم کے لیے ایک مناسب تمہید اور مقدمہ لکھنا ہوتا ہے۔ اختیار کردہ موضوع کے تعارفی پیراگرافوں سے پہلے تمہید باندھی جاتی ہے۔اس تمہید میں موضوع کے وسیع تناظر یا سیاق کو بیان کیا جاتا ہے۔ تمہید لکھنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی کچھ جملوں میں موضوع کی ایسی باتیں بیان کی جائیں جو قارئین کو عام طور پر معلوم ہوتی ہیں۔معلوم باتیں کرتے کرتے قاری کو موضوع کے اُس پہلو کی طرف لے آیا جائے جو نا معلوم، جدید اور اچھوتا ہو۔یہ وہ پہلو ہوتا ہے جس پر مقالہ نگار اپنی تحقیق آئندہ صفحات میں پیش کرنے جا رہا ہوتا ہے۔یعنی تمہید میں مقالہ نگار اپنے قاری کو موضوع کے معلوم سے نا معلوم پہلو کی طرف اور موضوع کے عام پہلو سے خاص پہلو کی طرف لے آتا ہے۔تمہید میں در اصل محقق اپنے قارئین کے لیے ایسا علمی ماحول، سیاق اور تناظر مہیا کرتا ہے جس کی مدد سے اُن کا ذہن بات کو سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

تمہید کے بعد موضوع پر بحث کا مقدمہ جو کم از کم ایک صفحہ اور زیادہ سے زیادہ دو صفحات پر مشتمل ہوتا ہے کے آٹھ عناصر ترکیبی یہ ہیں: (۱) موضوع کا تعارف، (۲) موضوع کی اہمیت، (۳) موضوع کو اختیار کرنے کے اسباب، (۴) تحقیق کا بنیادی سوال یا سوالات، (۵) بہت ہی اہم سابقہ مگر جدید ترین کام کا مختصر جائزہ، (۶) اختیار کردہ موضوع کی حدود، (۷) تحقیقی مقالے کی افادیت، اغراض اور مقاصد (۸) منہج تحقیق کی وضاحت۔ ان کے تقاضے اور لکھنے کے اُسلوب کی تفصیل درج ذیل میں پیش ہے۔

(۱) موضوع کا تعارف:

عنوان کی عبارت کا جائزہ لینے کے بعد ماہرِ مضمون (Reviewer) موضوع کے تعارف کو پڑھتا اور اُس کا جائزہ لیتا ہے کیوں کہ کسی بھی موضوع پر تحقیق سے پہلے اس کا تعارف پیش کرنا بنیادی عنصر ہوتا ہے۔ تعارف میں مقالہ نگار یہ واضح کرتا ہے کہ اُس کے نزدیک موضوع کے اختیار کردہ جدید اور اچھوتے پہلو کا کیا معنی اور مفہوم ہے؟ اس کا منتخب موضوع اپنے سیاق و سباق کے وسیع فکری تناظر میں کہاں واقع ہے؟ اس کا تعلق معاشرے کے کس طبقے، گروہ، کاروبار، پیشے یا ادارے سے ہے؟ اور اس کے بارے میں آئندہ صفحات میں کیا کچھ پیش کرنا چاہتا ہے؟ یعنی موضوع کے وہ کونسے جدید پہلو ہیں جنہیں زیر بحث لانے کا مناسب

وقت اب آگیا ہے؟ جن پر مقالہ نگار اپنا قلم اُٹھانا چاہتا ہے؟ اور اس کے جن پہلوؤں پر وہ اپنی تحقیق پیش کر رہا ہے اس کی شکل و صورت، چہرہ مُہرہ اور خدوخال کیا ہیں؟ اس جگہ مقالہ نگار عنوان کی عبارت میں شامل اصطلاحات، مرکبات (توصیفی یا اضافی) یا کلیدی تراکیب کے معانی اور مفاہیم کی تشریح و توضیح اس انداز میں کرتا ہے کہ ریویو کرنے والا ماہرِ مضمون جان لیتا ہے کہ آئندہ صفحات پر کیا نئی تحقیق پیش کی جانے والی ہے۔ موضوع کے تعارف کو خوب صورت الفاظ اور دلچسپ تراکیب کی مدد سے جاذبِ توجہ بنانا بھی ضروری ہوتا ہے تاکہ جب ماہرِ مضمون اُس کے حُسن کی سحر انگیزی میں آجائے تو پھر آگے آگے پڑھتا ہی جائے۔

(۲) موضوع کی اهمیت، ضرورت اور افادیت:

تحقیق کار موضوع کے تعارف کے بعد اپنے موضوع پر تحقیق کی اہمیت، ضرورت اور افادیت بیان کرتا ہے۔ کسی موضوع پر ایک تحقیق کی افادیت یہ ہوتی ہے کہ اس کے قارئین میں سے کس کس فرد یا گروہ کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ اس لیے ایک مقالہ نگار کو یہ بیان کرنا ہوتا ہے کہ موضوع کے جس مسئلے یا پہلو کو وہ زیرِ بحث لانا چاہتا ہے دورِ حاضر میں اُس کا تعلق معاشرے کے کن خاص لوگوں سے ہے؟ اُس مسئلے کا حل تلاش کر کے پیش نہ کیا گیا تو متعلقہ لوگوں کو کیا کیا ضرر اور نقصانات پہنچیں گے؟ اسے اس پر لازماً عقلی اور مشاہداتی وزنی دلائل دینا چاہئیں کیونکہ اسی سے اس کے تحقیقی کام کی قدر و منزلت متعیّن ہوتی ہے۔

موضوع پر تحقیق کی مقصدیت اور افادیت کے بارے میں پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی کہتے ہیں کہ جدت اور اَچھوتے پن کے ساتھ ساتھ تحقیقی کام کا معاشرے کے ساتھ تعلق ہو، اُس کی کوئی افادیت ہو۔ تحریر بہت ہی جدید اور بالکل نئی ہے لیکن معاشرے کے لیے نفع بخش نہیں ہے تو اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے۔ ہمارے ہاں عِلم نافع کا جو تصور ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ سوسائٹی کے لیے وہ علم فائدہ مند ہے۔ علم تو بہت سارے ہیں اور اُن میں ہونے والی ریسرچ میں جدت بھی ہے۔ لیکن کیا اُس ریسرچ کا معاشرے کو کوئی فائدہ ہوگا یا نقصان؟ علم نافع کی اخلاقیات اور جو شرعی تقاضے ہیں، کیا وہ اس تحقیق سے متاثر ہوں گے یا نہیں؟ تو اس حوالے سے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ معاشرے کو پیش کردہ تحقیق سے کتنا نفع پہنچے گا؟ یعنی تحقیق برائے تحقیق نہیں بلکہ ایک بامقصد تحقیق ہونی چاہیے۔[4]

یہاں ڈاکٹر ہاشمی نے علم نافع کی جو بات کی ہے وہ صرف درست ہی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی تحقیق کا ایک بنیادی اور لازمی تقاضا ہے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازِ صبح کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کرتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا، وَرِزْقًا طَيِّبًا، وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا"[5]۔

ایک صحیح حدیث میں تو حضور نبی کریم نے اپنی امت کو اللہ تعالیٰ سے علم نافع مانگنے اور غیر نافع علم سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے:

"سَلُوا اللّٰهَ عِلْمًا نَافِعًا، وَتَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ."[6]

نفع بخش تحقیق تو ایک مسلمان کو مرنے کے بعد بھی اجر و ثواب دلاتی رہتی ہے۔ اسی کی اہمیت سمجھاتے ہوئے ایک بار نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ."[7]

ان احادیث میں نو آموز مقالہ نگاروں کے لیے ایک اہم سبق یہ ہے کہ وہ جب اپنا مقالہ لکھیں تو اُس کے مقدمہ میں اپنے تحقیقی کام کی منفعت اور افادیت معقول دلائل سے واضح کریں اور بتائیں کہ اُن کے کام کی وجہ سے ملک و ملت کو کون سے فوائد ملیں گے؟ معاشرے کے کس طبقے کی کون کون سی اغراض پوری ہوں گی؟ تحقیقی کام کے منافع صرف بتانے کی حد تک نہ ہوں اُس کام میں در حقیقت لوگوں کے مسائل کا حل بھی پایا جاتا ہو۔ وہ کام علمی سرقہ اور نقل محض بالکل نہ ہو۔ اُن کی تحریر میں کسی سابق مصنف کے کام کو اپنا کام بتانے کی کوشش بالکل نہ ہو۔ معتبر اور قابل اعتماد محقق بننے کے لیے ان عام

۴۔ محی الدین ہاشمی، پروفیسر ڈاکٹر، ذاتی انٹرویو، حوالہ مذکور.

۵۔ امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ماجہ القزوینی (متوفی ۲۷۳ھ)، سُنن ابن ماجہ، (تحقیق: الأرنؤوط)، دار الرسالہ العالمیہ، دمشق، ط۱، ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء، ج۲، ص۸۵.

۶۔ سُنن ابن ماجہ، حوالہ مذکور، ج۵، ص۱۵.

۷۔ امام مسلم (متوفی ۲۶۱ھ)، صحیح مسلم، (تحقیق: محمد فؤاد عبدالباقی)، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج۳، ص۱۲۵۵. (مکتبہ شاملہ سے ماخوذ).

خرابیوں سے پرہیز لازمی ہے۔

(۳) اختیار کردہ موضوع پر تحقیق کے اَسباب:

کسی موضوع پر ایک محقق جب بھی قلم اُٹھاتا ہے تو اس کام کے معقول، علمی، مشاہداتی، تجرباتی اور واقعاتی اَسباب ہوتے ہیں۔ مقالہ نگار اپنے معاشرے، علمی ماحول، یا دَور میں پائے جانے والے اُن اَسباب اور مُحرکات کا ذکر کرتا ہے جنہوں نے اُسے اَپنے منتخب موضوع پر قلم اُٹھانے اور اپنی تحقیق پیش کرنے پر تحریک دی تھی۔ تحقیق میں اُن وجوہات کا بیان ضروری ہوتا ہے جو ایک محقق کو تحقیق کرنے پر برانگیختہ، مجبور یا متحرک کرتے ہیں تاکہ تحقیق کی جڑیں معاشرے کی فکری یا عملی سرگرمیوں میں پیوست نظر آئیں۔ علاوہ ازیں یہ اَسباب روز مرہ کے باہمی معاملات یا مقامی، قومی یا بین الاقوامی تعلقات میں جدت یا کھنچاؤ کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل بھی ہوسکتے ہیں۔

اسی سلسلے میں پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید عباسی اسبابِ انتخابِ موضوع کی انواع بیان کرتے ہوئے بہت اچھی بات کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم موضوع کے انتخاب کے بارے میں بات کرتے ہیں کہ اس کے اَسباب کیا ہوسکتے ہیں؟ تو میرے نزدیک یہ ہے کہ اہمیت کے اعتبار سے موضوع کا انتخاب کرنا، افادیت کے اعتبار سے موضوع کا انتخاب کرنا، ضرورت کے اعتبار سے موضوع کا انتخاب کرنا، محقق کی ذاتی معلومات کے اعتبار سے موضوع کا انتخاب کرنا، مارکیٹ کے اندر موضوع سے تعلق رکھنے والی کتب اور مقالات کی بہتات اور کثرت بھی اختیار موضوع کے اسباب بنتے ہیں۔ اسی طرح آنے والی دنیا کے لیے اس کی جو مشکلات ہیں ان کا حل تلاش کرنا بھی موضوع کے انتخاب کا ایک سبب بنتا ہے۔ (۸)

اس تناظر میں اَسبابِ اختیارِ موضوع کا تفصیلی بیان تو ایم اے، ایم فل، یا پی ایچ ڈی کے مقالہ کے خاکہ یا مقدمہ میں ہوتا ہے۔ محدود صفحات کے ایک ریسرچ پیپر میں ان کا مختصر بیان ضروری ہوتا ہے تاکہ جن وجوہات کی بنیاد پر تحقیق کا کام کیا گیا تھا بعد میں وہ کام معاشرے کو فائدہ پہنچاتا ہوا محسوس بھی ہو۔

(۴) موضوع پر سابقہ علمی کام کا جائزہ:

آج کی سائنسی اور ٹیکنالوجی کے وسیع استعمال والی دُنیا میں شاید ہی کوئی ایسا موضوع ہو جس پر کسی نہ کسی محقق نے کوئی تحقیق پیش نہ کی ہو۔ اس لیے کسی موضوع پر تحقیق سے پہلے یہ بتانا ضروری ہوتا ہے کہ موضوع کے متعلق پہلے کیا اور کتنا کام ہوچکا ہے؟ اور کہاں کہاں مزید تحقیق کی گنجائش ہے؟ یعنی وہ کون سا خلا یا کمی ہے جسے یہ تحقیق پورا کرے گی۔ کوئی بھی تحقیق اُس وقت مفید تحقیقی کام کہلاتی ہے جب وہ پہلے سے موجود کام میں کچھ نہ کچھ یا کسی نہ کسی لحاظ سے اضافہ کرے یا کسی تحقیق کے لیے بنیاد کا کام دے یا جدید مسئلے کا حل پیش کرے۔ اس کے لیے سابقہ اور بہت جدید اہم کام کا جائزہ لینا اور خلا کی نشاندہی کرنا تحقیق کی اَساسی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے مقالہ نگار کو موضوع کے متعلق سابقہ کام کا تجزیہ و تحلیل، اس کی وُسعت و گہرائی، اس کی قدر و قیمت اور افادیت کی حدود اور اپنے موضوع کے خلا کی نشاندہی کرکے اپنے تحقیقی مقالہ کا جواز بیان کرنا چاہیے چاہے یہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو۔ (۹)

(۵) تحقیق کا بنیادی سوال/ سوالات یا بیانِ مسئلہ:

مُخلص محققین دراصل اَیسے چاق و چوبند شکاری کی طرح ہوتے ہیں جو مشکلات اور مسائل کی تلاش اور شکار کرنے میں لگے رہتے ہیں تاکہ اپنے ناخُنِ تدبیر کی پُھرتیوں سے اور آلاتِ تفکیر کی چُستی سے اُن سوالات کی پیچیدگیوں کو اس طرح سُلجھائیں کہ مُلک و مِلّت کے ساتھ ساتھ انسانیت کو فائدہ ہو۔ مقامی افراد معاشرہ کے ساتھ ساتھ دور دراز کے لوگ بھی نقصان سے بچیں اور ترقی کریں۔ تمام سنجیدہ محققین اور تحقیقی کام کا جائزہ لے کر اس کی اشاعت کی سفارش کرنے والے ماہرینِ مضمون اس امر پر متفق ہیں کہ ہر تحقیق کسی نہ کسی سوال کا جواب ہوتی ہے۔ ہر تحقیق کسی نہ کسی مشکل کو حل کرتی ہے۔ ہر تحقیق کسی نہ کسی کام کو آگے بڑھانے میں مدد دیتی ہے۔ اس لیے مقالہ نگار کو اپنے منتخب موضوع پر تحقیقی کام کا ایک یا زیادہ قابلِ فہم مشکل مسئلہ اور اُس سے متعلق تحقیق طلب سوال یا سوالات بیان کرنا چاہیے۔ سوالات کی معقولیت اور وزن سے مقالے کی اہمیت اور قدر و قیمت طے ہوتی ہے۔

....(جاری)

۸۔ عبدالحمید عباسی، پروفیسر ڈاکٹر، ذاتی انٹرویو، حوالہ مذکور۔

۹۔ انٹرنیٹ کی مدد سے سابقہ کام کو جاننے، حاصل کرنے اور استعمال کرنے کے سلسلے میں ملاحظہ ہو: خورشید احمد سعیدی، ''علوم اسلامیہ میں تحقیقی مقالے کے موضوع کا انتخاب اور خاکہ سازی: جدید رہنما اُصول اور طریقے''، ششماہی علمی و تحقیقی مجلہ ''معارف اسلامی''، فیکلٹی آف عربیک اینڈ اسلامک اسٹڈیز، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، جلد ۱۳، شمارہ نمبر ۱، جنوری تا جون ۲۰۱۴ء، ص ۸۳۔۱۱۸۔

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

طلاق کا مسئلہ

میری بیٹی شبنم خاتون بنت محمد اقبال کا نکاح تقریباً ۱۹؍ سال قبل محمد جاوید ابن محمد عثمان سے ہُوا تھا، میری بیٹی غالباً اپنے شوہر کے ساتھ سات سال گزار چکی ہے اور اس دوران کئی دفعہ محمد جاوید نے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دے دی اور آخری جدائی کے وقت بھی اس نے یہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، دوسری شادی کر لو اور ایک لڑکی کی ولادت بھی ہوئی ہے، جو اَب تقریباً ۱۴؍ سال کی ہے اور لڑکی باپ کی کوئی چیز جانتی نہیں ہے اور ماں بھی بچی کو دینے کے لیے تیار نہیں ہے، مفتی صاحب سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ مذکورہ بالا باتوں سے طلاق ہوئی یا نہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، ہم آپ کے جواب کو دل وجان سے تسلیم کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ عین کرم ونوازش ہوگی۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں شبنم خاتون پر تینوں طلاقیں واقع ہو چکی ہیں، عدت گزر چکی ہو تو دوسرے مرد کے ساتھ نکاح صحیح کر لے ورنہ عدت گزار کر دوسرے کے ساتھ نکاح کرے۔ حمل والی عورت کی عدّت یہ ہے کہ بچہ پیدا ہو جائے اور غیر حاملہ کی عدت یہ ہے کہ تین بار حیض آکر گزر جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ڈرانے دھمکانے کی نیت سے طلاق دینے کا حکم

زید کہتا ہے کہ اس کی بیوی ہندہ ان کے والدین کی اطاعت و فرماں برداری کو لے کر ہمیشہ جھگڑا کرتی رہتی تھی، اس لیے زید گھر کے بزرگوں اور اس کے والدین کے ذریعہ بارہا سمجھا چکا تھا، ایک دن فون پر اسی بات کو لے کر زید نے ہوش وحواس کے عالم میں اور دل میں پختہ ارادہ کر کے کہ اپنی بیوی کو طلاق نہیں دے رہا ہوں، بلکہ اس کی اصلاح اور ڈرانے کی نیت سے اپنی زبان سے صرف تین مرتبہ یہ کہا: طلاق، طلاق، طلاق۔ اور یہ کہ کر فون رکھ دیا۔ ”دے دیا، دے رہا ہوں، یا دے چکا“ الفاظ زید نے استعمال نہیں کیے۔

(۱) دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کا زید سے اس کے والدین کی وجہ سے جھگڑا کرنا کیسا ہے؟

(۲) دوسرے یہ کہ کیا زید کے طلاق کا لفظ استعمال کرنے سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

الجواب

(۱) ہندہ پر اپنے شوہر زید کی اطاعت و فرماں برداری لازم ہے اور زید پر اپنے والدین کی اطاعت و فرماں برداری لازم ہے۔ اس لیے جب زید جائز اور مباح کاموں میں اپنے والدین کی اطاعت کا حکم دے تو ہندہ اس پر عمل کرے اور ہرگز ہرگز اس وجہ سے زید سے جھگڑا نہ کرے۔ قرآن حکیم میں ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ.

مرد حاکم ہیں عورتوں پر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) زید اگر اپنے بیان میں سچا ہے کہ اس نے ”طلاق، طلاق، طلاق“ کا لفظ اپنی بیوی کو طلاق دینے کے ارادے سے نہیں، بلکہ اس کو ڈرانے کے لیے کہا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی، جھوٹ بولے گا تو وبال اس کے سر ہوگا۔ آئندہ زید اصلاح کے لیے کوئی اور راستہ سوچے اور طلاق کے الفاظ ہرگز ہرگز زبان پر نہ لائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اولاد کو گود دینے کا حکم

(۱) آپ کی خدمت میں ایک سوال عرض ہے کہ میاں بیوی کا باہم رضامندی سے اپنی اولاد کسی کو گود دینا کیسا ہے؟ جب کہ پرورش کی حق دار دیگر عورتیں موجود ہوں۔

(۲) بصورت جواز باپ پر سات سال بعد بچہ اور ۹؍ سال بعد بچی واپس لینا واجب ہوگا؟ براہ کرم اس کا جواب ارشاد فرمائیں۔

صدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

الجواب

ماں باپ باہمی رضا مندی سے اپنی اولاد دوسرے کو گود دے سکتے ہیں جب کہ وہ دوسرا صالح ہو اور شفقت کے ساتھ اچھی تربیت اور دین کی تعلیم دے اور بچے کو اخلاق حسنہ کا خوگر بنائے، بعد میں ماں باپ کی مرضی، چاہیں تو واپس لے لیں، یا اسی صالح شخص کے پاس رہنے دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

داڑھی منڈانے کا حکم

داڑھی رکھنے یا نہ رکھنے پر بحث چل رہی تھی، اس پر داڑھی کے متعلق ایک صاحب کا یہ کہنا ہے کہ داڑھی رکھنا سنت ہے، لیکن یہ دین کے مسلمات میں سے نہیں ہے، جس نے رکھی اسے ثواب ملے گا، جس نے نہیں رکھی اس پر کوئی گناہ نہیں۔

اس بات پر انھیں قرآن و احادیث صحیحہ سے داڑھی کے واجب ہونے کو ثابت کر کے دکھایا گیا۔ اب صاحب کا کہنا ہے کہ داڑھی منڈانا اگرچہ گناہ ہے لیکن یہ گناہ کبیرہ نہیں ہے۔ اگر گناہ کبیرہ ہے تو قرآن و حدیث سے ثابت کریں۔

برائے کرم رہنمائی فرمائی۔ ایک بھائی سے میں نے آپ کا یہ نمبر حاصل کیا، اس مسئلے پر مدلل جواب مطلوب ہے۔

الجواب

داڑھی منڈانا گناہ صغیرہ ہے اور اس پر اصرار گناہ کبیرہ، تین یا تین سے زیادہ بار داڑھی منڈانا گناہ پر اصرار ہے، گناہ کبیرہ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی ممانعت پر اجماع ہو اور یہ مسئلہ اجماعی نہیں جیسا کہ کتبِ شافعیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، ہاں ہمارے مذہب حنفی میں اس کی حرمت پر اتفاق ہے جیسا کہ فتح القدیر کی عبارت سے عیاں ہوتا ہے، فی الحال میرے ذہن میں جو بات آئی اسے لکھ دیا۔

جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں وہ ایسا نہیں کہ ایک بار منڈا کر چھوڑ دیتے ہیں، بلکہ وہ اس کی عادت بنا لیتے ہیں اور یہ گناہ کبیرہ ہے۔ لا صغیرة مع الاصرار. واللہ تعالیٰ اعلم.

حائضہ عورت دلائل الخیرات اور قصیدہ بردہ پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

کیا حائضہ عورت قصیدہ بردہ شریف، دلائل الخیرات شریف، مزید اوراد و وظائف پڑھ سکتی ہے کہ نہیں؟ تفصیل سے قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ کرم ہوگا۔

الجواب

حائضہ قرآن پاک کی تلاوت نہیں کر سکتی کہ حدیث پاک میں اس سے ممانعت فرمائی گئی، باقی اذکار، تسبیح، تہلیل، استغفار، تسمیہ و قصیدہ بردہ شریف و دلائل الخیرات شریف و دیگر اوراد و وظائف جو غیر قرآن سے ہوں پڑھ سکتی ہے، بلکہ قرآن عظیم کی وہ آیات جو ذکر و ثنا دعا و مناجات ہوں، بہ نیتِ ذکر و دعا، بے نیتِ تلاوت پڑھ سکتی ہے۔ تحقیق و تفصیل کے لیے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا رسالہ ارتفاع الحجب عن قراءة الجنب مشمولہ فتاویٰ رضویہ جلد اول ص:۲۲۲ تا ص:۲۳۴ کا مطالعہ کریں۔ ان شاء اللہ خوب خوب تشفی حاصل ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

صحتِ اقتدا سے متعلق ایک ضروری مسئلہ

ایک شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچا کہ امام تشہد زیادہ پڑھ چکا تھا، یہ تکبیر تحریمہ کہہ کر صف میں بیٹھا ہی تھا کہ امام نے سلام پھیر دیا، تو اس کی اقتدا صحیح ہوئی یا نہیں، کیا اسے جماعت کا ثواب ملے گا؟

الجواب

اس کی اقتدا صحیح ہے کہ رکن میں شرکت ہوگئی اور اسے جماعت کا ثواب ملے گا، یہ الگ بات ہے کہ پورا ثواب نہ ملے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: ''زید صبح کی نماز کے وقت وضو کر کے فارغ ہوا تو گمان کیا کہ امام نصف التحیات پڑھ چکا اور جماعت دوسری بھی تیار ہے وہ بعد سنتِ فجر کے اس میں شریک ہوا۔''

اس کے جواب میں یہ مرقوم ہے:

زید کو حکم یہ تھا کہ امام اول کی التحیات میں شریک ہو جائے۔ جماعت ثانیہ کے اعتماد پر اولیٰ کی شرکت نہ چھوڑے، زید بالقصد بلا عذر صحیح شرعی جماعت اولیٰ فوت کر دینے سے گنہگار ہوا،

در مختار میں ہے: اذا خاف فوت رکعتی الفجر لاشتغاله بسنتها ترکها.

ردالمحتار میں ہے: الراجح عند اهل المذهب وجوب الجماعة وانه یاثم بتفویتها اتفاقا.

(فتاویٰ رضویہ جلد ۳، ص: ۳۹۳، ۳۹۴، سنی دار الاشاعت، مبارک پور)

واللہ تعالیٰ اعلم۔

تصحیح شدہ کنز الایمان کی اشاعت

ایک قابل قدر کارنامہ جو ہماری توجہ کا طالب ہے

مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری

کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے نام سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ نے قرآن پاک کا ایک شاندار ترجمہ املا کرایا ہے جس پر مفسر قرآن حضرت صدر الافاضل علامہ سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ نے ''خزائن العرفان فی تفسیر القرآن'' کے نام سے ایک مختصر مگر بہت جامع تفسیر قلم بند فرمائی ہے۔ تقسیم ہند سے قبل شاید اس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے۔ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے اس کے لیے ''اہل سنت برقی پریس'' کے نام سے ایک پریس بھی قائم کیا تھا، تقسیم کے بعد ہندوستان میں جو افراتفریح مچی اس کا اندازہ کچھ انہیں لوگوں کو ہے جو اس عہد رُستاخیز میں باشعور اور باحیات تھے، ساری قیامت مسلمانوں پر ٹوٹی۔ گھر مسلمانوں کے اجڑے، قتل و خون کے شکار مسلمان ہی ہوئے، ترک وطن کی سب سے بڑی غلطی بھی مسلمانوں ہی نے کی، انھوں نے سوچا تھا کہ وہاں مسلمانوں کو جنت ملے گی، مگر ایسا نہ ہو سکا، پاکستان آج تک جہنم کدہ بنا ہوا ہے اور تارکین وطن کے لیے تو چین اور سکون کی زندگی جینا وہاں آج بھی دو بھر ہے، ادھر جو مسلمان ہندوستان میں رہ گئے تھے جنھوں نے کسی طرح بھی ہندوستان کو خیرباد کہنا پسند نہیں کیا، پھر بھی انھیں طعنے سننے پڑ رہے ہیں، ''کرے کوئی بھرے کوئی''، کی مثال سامنے آ رہی ہے نہ سب نے پاکستان کا مطالبہ کیا نہ سب ہندوستان چھوڑ کے گئے اور جاتے کیسے گھر یہاں، باغ یہاں، مدارس اور مساجد اور درگاہیں یہاں، سلطان الہند (ہند کے راجہ) غریب نواز اور نظام الدین اولیا کی چوکھٹ یہاں، مخدوم اشرف اور مخدوم جہاں کے روحانی مراکز اور مزارات طیبات بھی اسی ہندوستان کی سرزمین پر نورانی جلوے بکھیر رہے ہیں، جو نہیں گئے اچھا کیا اور جو گئے ہیں وہ ضرور پچھتاتے ہوں گے۔

حالات یوں ہی دگرگوں تھے کہ حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ ۱۹۴۸ء/۱۳۶۷ھ میں اس دنیا سے کوچ فرما کر عالم جاودانی میں جا بسے، پھر سالوں کنز الایمان اور اس کی تفسیر کی اشاعت معرض التوا میں رہی۔ دور دور تک سناٹا رہا۔

اب مارکیٹ میں نہ ترجمہ نہ تفسیر، اس طویل سناٹے کے بعد کتب خانہ اشاعت الاسلام چوڑی والان دہلی جو ایک غیر مسلم کا کتب خانہ تھا، اس کی طرف سے ایک ایسے نسخے کی اشاعت عمل میں آئی جو مراد آبادی مطبوعہ نسخے کا عکس تھا، یہ تقریباً ۱۹۶۸ء کی بات ہے یعنی بیس سال تک ہندوستان میں کنز الایمان کی اشاعت بالکل بند تھی۔ سالوں تک صرف یہی ایک کتب خانہ تھا جو کنز الایمان شائع کرتا رہا، پھر جب دوسرے کتب خانوں نے دیکھا کہ کنز الایمان چل رہا ہے تو انہوں نے بھی اسی نسخے کا عکس چھاپنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی بعض کتب خانوں نے تاج کمپنی لاہور کے ایک نئے کتابت شدہ نسخے کا عکس لیا جس میں ہر پارہ علیحدہ نہ تھا بلکہ درمیان صفحہ سے شروع ہوتا تھا، جس کا نشریاتی نمبر ۲۲ تھا، پھر بہت سارے ناشرین قرآن نے ایک سے ایک، عمدہ سے عمدہ انداز میں کنز الایمان شائع کرنا شروع کر دیا۔

ہندوستان میں تو صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے دو مطبوعہ نسخوں کے علاوہ کبھی کسی نے قرآن پاک مع کنز الایمان کی کتابت ہی نہیں کرائی البتہ پاکستانی ناشرین قرآن میں بشمول تاج کمپنی کئی مکتبے والوں نے قرآنی متن اور ترجمہ و تفسیر کی کتابت کرائی، یہ تھی اس عظیم الشان اور بے مثال ترجمہ قرآن، کنز الایمان کی کہانی۔ پاکستان والوں نے تو تصحیح کا شایان شان اہتمام کیا ہی نہیں جس کی وجہ سے ہندوستان میں بھی وہی اغلاط سے پُر، کنز الایمان چھپتا رہا اور اب بھی چھپ رہا ہے، حتی کہ اغلاط کی لسٹ دینے کے بعد بھی کسی ناشر نے بھرپور تصحیح کا اہتمام نہیں کیا، اس درمیان جناب الحاج حافظ قمر الدین رضوی مالک رضوی کتاب گھر دہلی نے تاج کمپنی لاہور کے نسخے کی صرف تصحیح کرائی لیکن شائع نہیں کر سکے،

راقم الحروف نے اس سلسلے میں بھی خدمت انجام دی پھر الحاج محمد عمران دادانی رضوی آف نشان اختر ممبئی نے الفی قرآن پاک کی نئی کتابت کرائی اور اس میں ترجمہ کنزالایمان اور تفسیر خزائن العرفان کو شامل کیا تو پھر اس خدمت کے لیے انہوں نے بھی ناچیز راقم الحروف کو ہی یاد کیا، اس الفی قرآن مع ترجمہ و تفسیر کی تصحیح و اشاعت کے بعد پھر بعض احباب بالخصوص بانی رضا اکیڈمی جناب الحاج محمد سعید نوری اور خود دادانی صاحب کا خیال ہوا کہ الفی قرآن کافی وزنی اور گراں مایہ ہے اس تک عام سنّی مسلمانوں کی رسائی مشکل ہے، لہٰذا ایک عام سائز کا قرآن پاک کنزالایمان و تفسیر کے ساتھ شائع کیا جائے اور اس میں بھی مکمل تصحیح کا اہتمام ہو۔ چنانچہ اس کی ترتیب اور سیٹنگ کا کام بھی بحمدہ تعالیٰ انجام پذیر ہوا۔ اور ''خانقاہ برکاتیہ'' مارہرہ شریف کے مالی تعاون سے پہلا ایڈیشن شائع ہوا جو دہلی میں مجلس برکات کے آفس اور اسلامک بک پبلشر مٹیا محل دہلی سے حاصل کیا جاسکتا ہے، اس نسخے کا نمبر ۱۳۳۰ رکھا گیا ہے۔ اس مناسبت سے کہ کنزالایمان کی تحریر کا آغاز ۱۳۳۰ھ میں ہوا تھا۔ اس نسخے میں تفسیر کا کچھ حصہ صفحات کی تنگی کی وجہ سے ضمیمے کے کالم میں چلا گیا ہے اور ہر صفحے پر قرآن کا متن برابر ہے لیکن بعض احباب نے یہ فرمائش کی کہ متن قرآن چاہے کم و بیش ہو لیکن ہر صفحے کی تفسیر اسی صفحے میں آجائے تو بہتر ہے تاکہ تفسیر دیکھنے والوں کو ورق گردانی اور ضمیمے کی تلاش نہ کرنی پڑے، چنانچہ ایک بار پھر کوشش کی گئی اور اسی طرز پر متن و تفسیر کو سیٹ کیا گیا۔ متن، ترجمے اور تفسیر کا مواد اگرچہ حسب سابق ہے لیکن نئی ترتیب کی وجہ سے تبدیلی کا امکان تھا۔ اس لیے اس نسخے کی پھر سے مزید تصحیح کی گئی جس کا نمبر ۱۳۳۱ رکھا گیا ہے کہ یہی کنزالایمان کی تکمیل کا سن ہے۔ متن قرآن میں رسم الخط پر بھی خاص توجہ دی گئی ہے۔

الحمدللہ ادارہ ''نشان اختر'' کا یہی مقصد ہے کہ صحیح متن قرآن، تصحیح شدہ کنزالایمان و تفسیر خزائن العرفان لوگوں تک پہنچے، اور جتنے ناشرین قرآن ہیں وہ تصحیح شدہ کنزالایمان ہی شائع کریں، ادارہ نشان اختر اس کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، جو چاہے، شرائط کی پابندی کا وعدہ کرکے اجازت لے سکتا ہے تاکہ کسی قسم کی ترمیم و تبدیل راہ نہ پائے، اور ناشرین کو خرد برد کا موقع نہ ملے، ہماری شرائط میں یہ بھی ہے کہ گھٹیا اخباری کاغذ پر قرآن نہ چھاپا جائے، عمدہ یا کم از کم متوسط درجے کے کاغذ پر ہی قرآن کی پرنٹنگ ہو، اور جلد بھی عمدہ و مضبوط ہو، تاکہ قرآن کریم جو کتاب الٰہی ہے اس کا وقار بھی باقی رہے، اس عظیم کتاب الٰہی کے ساتھ محض پیسہ کمانے کی دھن میں بے حرمتی اور بے وقعتی کا سلوک نہ کیا جائے، جیسا کہ عرصہ دراز سے یہ نازیبا حرکت دہلی کے بعض ناشرین کر رہے ہیں۔

اس لیے تمام مسلمان بھائیوں سے یہی گزارش ہے کہ جب بھی کنزالایمان ہدیۃً لیں ''نشان اختر'' کا تصحیح شدہ نسخہ دیکھ کر لیں۔

تصحیح کنزالایمان سے متعلق چند اور ضروری باتیں:

(۱) مطبوعہ کنزالایمان کے نسخے جو بازار میں رواج پا گئے ہیں ان میں تحریفات بھی ہیں، کیوں کہ بعض ناشرین بدعقیدہ ہیں یا ناشر تو تاجر قسم کا ایک عام آدمی ہے مگر اس کے کارندے بدعقیدہ اور شاطر ہیں وہ اپنی باطنی مذموم حرکتوں سے باز نہیں آتے۔

(۲) ہزار کوشش کے باوجود کتابت اور کبھی طباعت میں غلطیاں در آتی ہیں اور کتاب یا قرآن غفلت کی وجہ سے غلطیوں کے ساتھ چھپ جاتا ہے۔ دونوں قسم کی غلطیاں حتی المقدور درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۳) بعض مقامات پر اصل آیت کے کسی ٹکڑے کا ترجمہ چھوٹ گیا تھا اس کی بھی تکمیل کر دی گئی۔

(۴) موجودہ تصحیح شدہ نسخے کی تصحیح مخطوطہ کنزالایمان سے کی گئی ہے۔

(۵) حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے نولکشور پریس لکھنؤ کے مطبوعہ قرآن شریف نقل نظامی کے بین السطور ترجمہ کنزالایمان سرخ رنگ سے تحریر کیا ہے اس سے بھی مطابقت کی گئی ہے، بطور خاص ان مقامات کی جو اصل مخطوطہ کنزالایمان میں کسی وجہ سے غائب ہوگئے ہیں۔

(۶) بعض مشکل مقامات پر اور فرہنگ سازی میں بھی بہت سے علمائے کرام اور محققین سے رجوع کیا گیا ہے، ان میں نمایاں نام یہ ہیں۔

(۱) خواجہ علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی (علیہ الرحمہ)

(۲) فقیہ النفس حضرت علامہ مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی پورنوی

(۳) خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

(۴) ماہر علوم و فنون علامہ ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی، مبارک پوری

(۵) حضرت مولانا مفتی محمد معراج القادری، مفتی اشرفیہ مبارک پور

(۶) ادیب لبیب مولانا نفیس احمد مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ

(۷) مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ

(۷) تفسیر خزائن العرفان کا کوئی مخطوطہ دستیاب نہ ہو سکا اس لیے اس کے قدیم مطبوعہ نسخے پر اعتماد کیا گیا ہے، اور جہاں کہیں واضح تسامح سامنے آیا اور اس کی اصلاح ضروری سمجھی گئی تو مناسب اصلاح کر دی گئی۔ تفسیر میں جہاں کہیں صفحات کے ساتھ حوالے دیے گئے ہیں وہ اضافی ہیں تاکہ اصل تک رجوع کرنے میں آسانی ہو۔

(۸) واضح ہو کہ ترجمہ و تفسیر کو تقریبًا سو سال ہو گئے، مگر تصحیح کا خاطر خواہ کام اب انجام دیا گیا ہے پھر بھی اگر کہیں کوئی غلطی کسی کو نظر آئے تو فوراً اطلاع دیں، تاکہ آئندہ درست کیا جا سکے۔

ایک اہم اعلان:

یہ جان کر اہل علم کو خوشی ہوگی کہ قرآن پاک مع کنز الایمان پر کام ابھی ختم نہیں ہوا ہے کام مسلسل جاری ہے۔ ابھی اور کئی طرز پر مثلاً ایم ٹائپ، ایل ٹائپ کی سیٹنگ کا بھی منصوبہ ہے، آیات کے سامنے آیات کا ترجمہ لے کر بھی ایک نسخہ مرتب کرنا ہے ”لغات القرآن کنز الایمان کی روشنی میں“ کے نام سے بھی ایک کتاب شائع کرنی ہے۔ ساتھ ہی حکیم الامت حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی اشرفی بدایونی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۷۱ء/۱۳۹۱ھ) صاحبِ تفسیر نعیمی (مفصل) کی مختصر مکمل اور آسان تفسیر ”نور العرفان فی تفسیر القرآن“ کے نئے کتابت شدہ متن قرآن کے ساتھ کمپوزنگ کا کام بھی جاری ہے، جو اس وقت بازار سے بالکل مختلف ہے جس کی کتابت کاتب قرآن جناب الحاج محمود احمد عبد الحق شیخ نوری رقم نے کی ہے جس کے حروف موتیوں کی طرح خوبصورت ہیں، اس تفسیر نور العرفان کے ساتھ بھی تصحیح شدہ کنز الایمان ہی لگایا گیا ہے، جس میں جناب فیضی محسن جلیل مالیگانوی نے اپنے فن کا کمال دکھایا ہے، اور جناب مولانا حافظ محمد تسلیم رضوی پلاموی نے متن قرآن کو بڑی باریک بینی اور محنت سے سے دیکھا ہے اور مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے، متن قرآن میں رسم الخط پر بھی خاص توجہ دی گئی ہے۔ عنقریب یہ نادر نسخہ بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ منظر عام پر آنے والا ہے، یہ تفسیر بھی قرآن فہمی میں بڑی مدد گار ثابت ہوگی، ان شاء اللہ۔ واضح ہو کہ یہ فاضل مفسر بھی حضرت صدر الافاضل مراد آبادی علیہ الرحمہ کی آغوش تربیت کے پروردہ اور ان کے گلشن علم کے خوشہ چیں ہیں، جنھوں نے اپنے استاذ والا تبار کی تفسیر کو سامنے رکھتے ہوئے عوام اہلسنّت کے لیے عام فہم اور مفید سے مفید تر بنانے کی کوشش کی ہے، گویا یہ تفسیر بھی فیضان صدر الافاضل علیہ الرحمہ ہی کا ایک حصہ ہے۔

اس بات کے لیے بھی ادارہ نشان اختر ممبئی اپنے سینے کو چوڑا کیے ہوئے ہے کہ جو ناشر قرآن بھی اس کی اشاعت پر خصوصی توجہ دینا چاہتا ہے وہ آگے بڑھ کر اس کی سافٹ کاپی حاصل کر سکتا ہے، کیوں کہ ادارہ نشان اختر اپنے مشن ”فروغ فہم قرآن“ کو عام کرنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اتنا بڑا پروجیکٹ (منصوبہ) لاکھوں کی لاگت سے عملی جامہ پہن رہا ہے، اس کے لیے جن احبابِ اہلسنّت نے نہایت خاموشی اور خلوص کے ساتھ محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے بنیادی مالی تعاون کیا ہے وہ بے شمار اجر و ثواب کے مستحق ہیں اور صد ہزار لائق تحسین و تبریک بھی، اللہ تعالیٰ اس کار خیر میں حصہ لینے کا دنیا و آخرت میں انھیں بے پایاں اجر عطا فرمائے مزید ایسے مخلص احباب کی توجہ کی ضرورت ہے کہ یہ کارواں آگے بڑھتا رہے اور قرآن کی خدمت پوری خوش اسلوبی اور اطمینان بخش طریقے سے انجام پاتی رہے۔ شہزادہ اعلیٰ حضرت تاجدار اہلسنّت عارف باللہ سرکار مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا قادری نوری علیہ الرحمۃ والرضوان اور حضور تاج الشریعہ علامہ شاہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری دامت برکاتہم القدسیہ کے فیوض و برکات کا سلسلہ یوں ہی جاری رہے اور ہماری پوری ٹیم اسی طرح خلوص و للّٰہیت کا پیکر بن کر کام کرتی رہے۔ آمین۔

قافلہ قرآن کا شریکِ سفر

محمد عبد المبین نعمانی قادری

۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ/۲۵/جنوری ۲۰۱۸ء جمعہ مبارکہ

☆☆☆--☆☆☆

شعائیں

تعلیماتِ رضا کی روشنی میں

قبروں کی زیارت کا طریقہ

از: پروفیسر دلاور خان

مفکر اسلام امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بت پرستی کے آغاز اور اس کے اثرات سے متعلق فرماتے ہیں کہ: دنیا میں بت پرستی کی ابتدا یوں ہوئی کہ صالحین کی محبت میں ان کی تصاویر گھروں اور مساجد میں رکھی گئیں ان سے لذت عبادت کی تائید سمجھی، پھر آہستہ آہستہ وہی معبود ہو گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا وَّ لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ۔(سورہ نوح، آیت:۲۳)

اور کافروں نے کہا کہ ہرگز اپنے خداؤں کو نہ چھوڑو اور ود، سواع، یغوث، نسر کو کبھی نہ چھوڑو۔

اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ ابو جعفر نے فرمایا "ود" ایک مسلمان شخص تھا جو اپنی قوم میں ایک پسندیدہ اور محبوب بھی تھا جب وہ مرگیا تو سرزمین بابل میں لوگ اس کی قبر کے آس پاس جمع ہوئے اور اس کی جدائی پر بے قرار ہوئے جب شیطان اس کی جدائی میں لوگوں کو بے تاب پایا تو وہ انسانی صورت میں ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں اس شخص کے مرنے پر تمھاری بے قراری دیکھ رہا ہوں کیا مناسب سمجھتے ہو کہ میں بالکل اسی جیسی تمھارے لیے ایک ایک فوٹو تیار کردوں لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس کا تیار کردہ فوٹو دیکھ کر اسے یاد کرتے رہے۔ راوی نے کہا کہ ان کی اولاد نے یہ دور پایا پھر وہ دیکھتے رہے جوان کے بڑے کرتے رہے پھر نسل آگے بڑھی اور آنے والی نسلوں نے اسے خدا بنالیا اور اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت میں مصروف ہوگئے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۴، ص ۵۷۴)

الشیخ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، بخاری میں سے حدیث نقل کرتے ہیں جب ان لوگوں میں کوئی نیک اور صالح آدمی مرجاتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے پھر ان کی تصاویر کو اس میں سجاتے وہی اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ص ۵۷۵)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفاتِ اقدس کے مرض میں فرمایا یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو محلِ سجدہ بنالیا اور فرمایا ایسا کرنے والے اللہ عزوجل کے نزدیک روز قیامت تک بدترین مخلوق ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: یہ نہ ہوتا تو قبر اطہر کھول دی جاتی مگر اندیشہ ہوا کہ کہیں سجدہ نہ ہونے لگے لہٰذا احاطہ میں مخفی رکھا۔ (فتاویٰ رضویہ، ص ۴۵۳)

شیخ الاسلام امام احمد رضا حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قرآن و سنت کی روشنی میں شخصیت پرستی، تصویر پرستی، قبر پرستی اور بت پرستی کا تدریجی جائزہ پیش کیا کہ سابقہ امت نے اپنے صالحین کے ساتھ کس قدر غلو کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں معبود کے درجے پر فائز کردیا دوسری طرف اس حقیقت کی جانب رہنمائی فرمائی کہ اس دور کے علما عقیدۂ توحید کے فروغ میں سستی اور کاہلی کے مرتکب ہوئے جس کی وجہ سے ان میں عقیدۂ توحید کا علم اٹھ گیا۔ علما کی اس کوتاہی کے سبب سابقہ امتوں میں قبر پرستی اور بت پرستی کی راہ ہموار ہوتی چلی گئی۔

یہی وجہ ہے کہ مفکر اسلام نے امت مسلمہ میں عقیدۂ توحید کو راسخ کرنے کے لیے بت پرستی اور قبر پرستی کی تمام راہیں مسدود کرنے کے لیے فتاویٰ رضویہ میں کئی احادیث نقل فرمائی ہیں مثلاً:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

(۱)۔ قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو نہ ان پر بیٹھو۔ (۲)۔ الٰہی میرے مزار کریم کو بت نہ ہونے دینا، اللہ تعالیٰ کی لعنت ان پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبریں مسجد کرلیں۔ (۳)۔ بدترین لوگوں میں وہ ہیں جو قبروں کو محل سجود قرار دیں۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۲، ص ۴۵۴، ۴۵۵)

ان احادیث کی روشنی میں امتِ مسلمہ کو قبر پرستی سے کئی فتاویٰ بھی جاری فرمائے مثلاً قبر کے سامنے نماز پڑھنا گناہ کبیرہ ہے۔
(فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۱، ص ۴۷۸)

مزار کو سجدہ درکنار کسی قبر کے سامنے اللہ عزوجل کو سجدہ جائز نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۲، ص ۴۷۶)

خود قبر کو سجدہ کرنا یا اس سجدے میں (قبر کو) قبلۂ توجہ بنانا کس درجہ سخت ممنوع و حرام ہوگا۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۲، ص ۴۷۸)

اگر طواف بنیت تعظیمِ قبر ہے تو بلاشبہ حرام ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴، ص ۳۹۹)

اگر طواف بنیتِ عبادتِ غیر ہے تو مطلقاً کفر و شرک۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۲، ص ۳۹۲)

زمین بوسی بالائے طاق رکوع کے قریب تک جھکنا منع ہے مزارات کو سجدہ یا ان کے سامنے زمین چومنا اور حدِ رکوع تک جھکنا منع ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴، ص ۴۷۴)

بوسۂ قبر میں بہت اختلاف ہے بکثرت اکابر جواز و منع دونوں طرف ہیں اور عوام کے لیے زیادہ احتیاط منع میں ہے خصوصاً مزارات طیبہ اولیائے کرام کے اتنا قریب جانا خلاف ادب ہے کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے پر کھڑا ہو۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۲، ص ۴۱۹)

کسی ولی اللہ کا مزار شریف فرضی بنانا اور اس کے ساتھ اصل سا معاملہ کرنا ناجائز و بدعت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۹، ص ۴۲۵)

آپ سے سوال کیا گیا کہ قبر اونچی کرکے بنانا کیسا ہے آپ نے ارشاد فرمایا خلاف سنت ہے۔ میرے والد ماجد میری والدہ ماجدہ اور میرے بھائی کی قبریں دیکھئے ایک بالشت سے اونچی نہ ہوں گی۔

(الملفوظ، حصہ سوم، ص ۲۴۸)

مفکرِ اسلام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قبروں پر سجدہ، رکوع، طواف کرنے سے منع فرمایا یہاں تک ہی نہیں بلکہ آپ فرماتے ہیں کہ اخلاص عبادت یہ ہے کہ عبادتِ غیر کی مشابہت سے بچیں۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۲، ص ۵۰۵)

قبر پرستی کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکتے ہوئے فرماتے ہیں: لاتشرک باللہ وان حرقت (اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اگر تجھے جلا بھی دیا جائے)۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۲، ص ۱۳)

آپ ایک اعتدال پسند مفکر اسلام ہیں آپ ایک طرف تو قبر پرستی کی تمام راہیں قرآن و سنت کی روشنی میں مسدود کرتے دکھائی دیتے ہیں تو دوسری طرف قرآن وحدیث سے ماخوذ حرمت قبر کی دعوت و فکر عام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس تناظر میں بھی کئی احادیث رقم کرتے ہیں۔ حضرت عمارہ: بن حزم سے راوی کہ حضور اقدس ﷺ نے مجھے قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا اے قبر والے! قبر سے اتر آ، نہ صاحب قبر کو ایذا دے نہ وہ تجھے۔ نبی کریم نے فرمایا کہ مردے کی ہڈی کو توڑنا اور اسے ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۹، ص ۴۴۱)

حضور ﷺ نے ایک شخص کو قبروں کے درمیان جوتیاں پہن کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا خرابی ہو تیری اے جوتیوں والے اپنی جوتیاں اتار دے۔ (ابوداؤد) (فتاویٰ رضویہ، جلد ۹، ص ۴۴۴)

آپ نے فرمایا کہ چنگاری یا تلوار پر چلنا یا جوتا پاؤں سے گانٹھنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی قبر پر چلوں۔ حضرت ابنِ مسعود فرماتے ہیں کہ بے شک مجھے آگ پر پاؤں رکھنا زیادہ پسند ہے مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھنے سے۔ (فتاویٰ رضویہ،، جلد ۹، ص ۴۴۶)

الشیخ احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بحمد اللہ تعالیٰ حکم مسئلہ مثل آفتاب روشن ہوگیا کہ جب حضور اقدس نے قبر پر بیٹھے اور اس سے تکیہ لگانے اور مقابر میں جوتا پہن کر چلنے والوں کو منع فرمایا اور علما نے اس خیال سے قبور پر پاؤں نہ پڑے گورستان جو راستہ جدید نکالا گیا ہو اس میں چلنے کو حرام بتایا ہے اور حکم دیا کہ قبر پر پاؤں نہ رکھیں بلکہ اس کے پاس نہ سوئیں۔ سنت یہ ہے کہ زیارت میں بھی وہاں نہ بیٹھیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ بلحاظ ادب پاس بھی نہ جائیں بلکہ دور ہی سے زیارت کر آئیں اور مقابر میں جرائیں اور تصریح فرمائی کہ مسلمان زندہ و مردہ کی عزت برابر ہے جس بات سے زندوں کو ایذا پہنچتی ہے مردے کو بھی اس سے تکلیف پہنچتی ہے اور انہیں تکلیف دینا حرام ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۹، ص ۴۵۳)

آپ فرماتے ہیں کہ نفسِ قبر کی تعظیم نہیں بلکہ مقبورِ معظم کی تعظیم ہے۔

قبر سے متعلق آپ کی تعلیمات کے تنقیدی جائزے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے۔ آپ احادیث مبارکہ پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں اس لیے آپ ان احادیث پر امت مسلمہ کو زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں جس میں قبروں پر سجدہ کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے اور ان احادیث مبارکہ پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ جس سے حرمتِ قبر ثابت ہے اسی طرح آپ زیارت قبور کے تحت رقم کی گئی احادیث پر عمل کرتے دکھائی دیتے اگر ہم مفکرِ اسلام کی ان تعلیمات پر عمل کریں تو معاشرے سے فرقہ واریت کے خاتمہ کی راہ ہموار ہوسکتی ہے۔

---*---*---*---

معاشرے کی چند خرابیاں اور اصلاح وفلاح کے طریقے

محمد نظام الدین قادری

معاشرہ آج جن برائیوں سے دوچار ہے ان کا اجمالی جائزہ یہ ہے، جھوٹ، وعدہ خلافی، حسد، کینہ، بغض، عداوت، غرور، تکبر، خود بینی، غیبت، چغل خوری، بدگوئی، شراب نوشی، جواز بازی، سود، رشوت خوری، لاٹری، بے عملی، فرضی مزار، جادو ٹونا، تھیٹر سینما، ٹی وی کا غلط استعمال، بدکاری،، تصویر کشی، غیر اخلاقی لٹریچر کا مطالعہ، لباس میں تبدیلی ہوتی ہوئی عریانیت، غیر اسلامی رہن سہن، داڑھی منڈوانا، بے پردگی و بے حیائی، اولاد کی پرورش میں کوتاہی، شادی بیاہ کے موقع پر بے جا رسمیں، فضول خرچیاں، ناچ گانا، ڈھول تاشہ، بینڈ باجہ، پٹاخے چھوڑنا، گولے داغنا، جہیز کی کثرت، طلاق کی زیادتی، نماز سے دوری، روزہ سے بے اعتنائی، چھوٹے کا بڑے کی توقیر نہ کرنا اور بڑے کا چھوٹے پر شفقت نہ کرنا۔

معاشرہ کی اصلاح کی ترغیب:

اسلام نے معاشرہ کی اصلاح پر بہت زور دیا ہے، کیوں کہ غلط معاشرے کی وجہ سے پوری نسلِ انسانی خرافات اور برائیوں کی وجہ سے تباہی کے دہانے پر چلی جاتی ہے، اب یہاں ہم اسلامی تعلیمات کو قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔

غرور اور تکبر:

صالح معاشرہ کی پراگندگی میں کبر ونخوت اور غرور و تکبر کا بھی بڑا ہاتھ ہے، نیکی کو ملیامیٹ کرکے برائی پھیلانے میں اس شیطانی حرکت کا بڑا دخل ہے، تکبر انسان کو بھلائی سے دور کرکے گناہوں میں ملوث کر دیتا ہے، اس لیے قرآن وحدیث میں اس کی بہت سخت مذمت کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، "یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لیے تیار کرتے ہیں جو زمین میں تکبر نہیں چاہتے اور نہ فساد۔" (پارہ:۲۰، رکوع ۱۲، سورہ قصص)

اور ایک جگہ فرماتا ہے: میں اپنی آیتوں سے انھیں پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق اپنی بڑائی چاہتے ہیں۔ (پارہ۹، رکوع:۶، سورہ اعراف)

اور میرے آقا فرماتے ہیں، جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی گھمنڈ ہو وہ جنت میں داخل نہ ہوگا اور جس کے دل میں دانہ برابر بھی ایمان ہو وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ (مشکوۃ، بخاری)

بدنظری وبدنگاھی:

قرآن مقدس میں پروردگار عالم اپنے حبیب ﷺ سے فرما رہا ہے: اے میرے محبوب: "آپ مومنہ عورتوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہوں کو جھکی ہوئی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنے بناؤ سنگار کو ظاہر نہ کریں۔ (سورہ نور، پارہ:۱۸، آیت:۳۱)

اور دوسری جگہ فرمایا کہ: تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور زمانۂ جاہلیت کی طرح بے پردہ نہ نکلو۔ (الاحزاب)

مگر آج کل مسلمان مرد اور عورتیں اللہ کے حکم کی مکمل خلاف ورزیاں کر رہے ہیں۔ بدنظری اور بدنگاہی اور بن سنور کر حسن و جمال کا بھرپور مظاہرہ کیا جا رہا ہے جس کے برے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ اب جو نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بدنگاہی اور بدنظری کی بلا اور مصیبت میں گرفتار ہیں، ان حدیثوں کو ضرور پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ میرے آقا ﷺ نے فرمایا: تم اپنی نگاہوں کو جھکی ہوئی رکھو اور شرم گاہوں کی حفاظت کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمھاری شکلوں کو بگاڑ دے گا۔ (المعجم الکبیر)

ایک دوسری حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: آنکھوں کا زنا دیکھنا، کان کا زنا حرام سننا، زبان کا زنا بولنا (فحش کلامی) ہاتھوں کا زنا (حرام) پکڑنا، پاؤں کا زنا (حرام کی طرف) چلنا ہے۔ دل زنا کی خواہش اور تمنا کرتا ہے جب کہ شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر ۶۷۵۳)

مگر آج کچھ لوگ بغیر نکاح کے لڑکیوں سے بے روک ٹوک بات چیت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ گھومتے ہیں، کمر یا کاندھے پہ ہاتھ ڈال کر سیر و تفریح کرتے ہیں، تو ایسے لوگ اپنے انجام کو سمجھیں۔

ایک اور حدیث میں میرے نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کی میخ ٹھونک دی جائے، یہ اس سے بہتر ہے کہ

وہ کسی ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہ ہو۔
(المعجم الکبیر، حدیث نمبر:۴۱۱۷)

لباس کا غلط استعمال:

مسلمانوں کے عمل کا یہ کتنا قابلِ نفرت پہلو ہے جب کہ دنیا میں ہر قوم اپنی مذہبی معاشرت اور اپنے پیشوا کے طرزِ عمل کی مضبوطی سے پابند رہتی ہے، بلکہ اپنی معاشرت، اپنا تمدن، اپنے طریقے، دوسرے اقوام میں رائج کرنے کے لیے ہر قوم نہ صرف مالی ایثار بلکہ ذاتی قربانی بھی کر گزرتی ہے۔ آپ لباس ہی کو دیکھ لیجیے: لباس کا مطلب اتنا کپڑا ہونا جس سے پورا بدن ڈھک جائے۔ یہ حکم مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے یکساں ہے۔ لیکن عورتوں کو پردے کا بھی حکم دیا گیا تاکہ اپنی عزت و عصمت محفوظ رکھ سکیں۔ لیکن مغربی تہذیب کی پیروی کرتے ہوئے مسلم خواتین نے پہلے تو برقع اور پردہ کو خیرباد کہا، پھر دوپٹے کو اور اب ایسا کپڑا نوجوان لڑکیاں استعمال کر رہی ہیں جس سے اللہ کی پناہ کچھ کپڑے تو ایسے باریک ہوتے ہیں جنھیں پہننے سے اندرونی اعضا جھلکتے ہیں۔ کچھ لڑکیاں ایسے کپڑے پہنتی ہیں جو بہت ہی چست اور بدن پر چپکا ہوتا ہے، جس سے ان کی جسمانی بناوٹ جھلکتی ہے، کچھ تو بے آستین والا لباس پہن رہی ہیں۔ کچھ جنس پینٹ اور شارٹ شرٹ پہن کر اپنی کمر، ناف اور جانگھ کا لوگوں کو نظارہ کراتی پھر رہی ہیں۔ جب میرے آقا ﷺ نے فرمایا کہ جب لڑکی بلوغت کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ سوائے چہرے اور ہتھیلی کے نظر نہیں آنا چاہیے اور مرد کی ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے۔ (دارقطنی، ابوداؤد)

عورت اور پردہ:

خواتین کو پردے کا حکم دیتے ہوئے رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: عورت واجب الستر ہے۔ (ترمذی)

صاحبِ ہدایہ علامہ ابوالحسن المرغینانی فرماتے ہیں، آزاد عورت کا چہرہ اور ہاتھوں کے سوا پورا جسم ستر ہے، کیوں کہ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: عورت چھپائے جانے کی چیز ہے، اور ہاتھوں اور چہرہ کا استثنا اس لیے ہے کہ کام کاج اور ادائے شہادت کے وقت انھیں ظاہر کرنا پڑتا ہے۔ (ہدایہ اولین، ص:۷۲)

نیز ترمذی شریف کی حدیث پاک ہے، رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے جس وقت وہ بے پردہ ہو کر باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانک جھانک کر دیکھتا ہے۔
(سنن ترمذی، حدیث:۱۱۷۳)

ایک اور حدیث میں میرے آقا ﷺ نے فرمایا کہ قربِ قیامت ایسی عورتیں ہوں گی جو کپڑا پہننے کے باوجود ننگی نظر آئیں گی اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود بھی ان کی طرف مائل ہوں گی تو ایسی عورتیں جنت میں داخل نہیں کی جائیں گی اور نہ جنت کی خوشبو پا سکیں گی جب کہ جنت کی خوشبو پانچ سو برس کی دوری ہی سے ملے گی۔
(صحیح مسلم، حدیث نمبر:۲۱۲۸)

احادیث مذکورہ سے یہ درس ملتا ہے کہ ہمیں اپنی زندگی اس طرح گزارنی چاہیے کہ قرآن و حدیث کے موافق ہو، اللہ ہمیں شیطان کے فریب سے بچائے۔

موبائل اور انٹرنیٹ کی آفت:

موبائل اور انٹرنیٹ ایک طرح سے بہت ہی کام کی چیز ہے، جس کی مدد سے آدمی چند منٹوں میں دنیا کے کسی بھی گوشے میں اپنی بات اور اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے۔ کاروباری معاملات ہوں یا رشتہ داروں کے حالات یا کوئی خبر یا دوسرے مسائل سب کی جانکاری چشمِ زدن میں اس کے ذریعہ حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ جہاں سودمند چیز ہے وہیں یہ بہت بڑی مصیبت بھی ہے، نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس کے ذریعہ پیار محبت کی باتیں، حیاسوز حرکات مثلاً بلو فلموں کی کلپس، ننگی تصویریں، فلمی گانے وغیرہ دیکھ کر اور سن کر ہر صبح و شام شرم و حیا کا گلا گھونٹ کر اپنے ایمان و عمل کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ فون اور انٹرنیٹ نے ہزاروں نوجوان لڑکے لڑکیوں کو بدکاری کا راستہ دکھایا اور پھر انھیں بے حیا بنا کر اللہ و رسول اور اسلام سے دور کر دیا ہے۔

کتنی ہی لڑکیاں جو مسلم گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، نماز، روزہ اور عبادات کی بھی پابند تھیں لیکن موبائل اور انٹرنیٹ کے غلط استعمال کی وجہ سے غیر مسلم لڑکوں سے محبت کر بیٹھیں، محبت نے عزت و عصمت کا سودا کرایا پھر ایمان و اسلام کو خیرباد کہہ کر غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ فرار ہو گئیں۔

مخلوط تعلیم کے برے اثرات:

تعلیم مرد و عورت دونوں کے لیے یکساں ضروری ہے، اسلام نے جہاں مردوں کو تعلیم حاصل کرنے کی تاکید کی ہے وہیں عورتوں کو بھی اس سے محروم نہیں رکھا ہے، لیکن لڑکیوں کی تعلیم میں اس بات کا

خیال رکھنا ضروری ہے کہ انھیں مخلوط تعلیم گاہوں، اسکولوں، کالجوں سے بچایا جائے۔ کیوں کہ مخلوط تعلیم گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے کی صورت میں بے راہ روی کے قوی امکانات موجود ہوتے ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آج کل مخلوط تعلیم گاہوں، ٹیوشن سینٹروں میں جہاں تعلیم ہو رہی ہے، وہیں لڑکے لڑکیوں کے درمیان آپس میں پیار محبت کا جذبہ بھی پروان چڑھتا رہتا ہے۔ پھر اچانک ایک دن خبر ملتی ہے کہ فلاں لڑکی فلاں لڑکے کے ساتھ فرار ہوگئی۔

بسا اوقات مسلم لڑکے غیر مسلم لڑکیوں سے محبت کر بیٹھتے ہیں، پھر بغیر مسلمان کیے ان سے کورٹ میرج کر لیتے ہیں اور پوری زندگی حرام کاری میں گزار دیتے ہیں، اسی طرح بعض مسلم لڑکیاں بھی غیر مسلم لڑکوں سے محبت کر بیٹھتی ہیں اور ان کی محبت میں پاگل ہو کر گھر بار، رشتہ ناتہ اور دین و مذہب چھوڑ کر ان کے ساتھ فرار ہو جاتی ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معلم خود ہی طالبہ کی آبرو ریزی کر بیٹھتا ہے۔ دراصل یہ سب مخلوط تعلیم یعنی لڑکے اور لڑکیوں کا آپس میں آزادانہ میل ملاپ کا نتیجہ ہے، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ مخلوط ماحول اور آزادانہ میل ملاپ والی جگہوں سے خود بھی بچیں اور اپنے بچے بچیوں کو بھی بچائیں۔

اسباب و ذرائع:

مسلمان اگر اس دینی بے راہ روی سے دور رہ کر جادۂ مستقیم اختیار کرنا چاہیں تو انھیں اللہ تعالیٰ کے فرمان **وَمَا خَلَقْتُ الجن و الانس الا لیعبدون.** پر کاربند ہونا چاہیے اور رسول کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل پیرا ہونا چاہیے کہ رسول جو تمھیں حکم دیں لے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز آجاؤ اور منکر چیزوں سے روکنے کے لیے سخت سے سخت فیصلہ کریں۔

اب معاشرہ کے سدھار اور اصلاح کے لیے چند مفید تجاویز پیش کی جاتی ہیں:

(الف)- ہر بستی، ہر محلہ، ہر قصبہ میں اصلاحی کمیٹیاں قائم کریں، عوام کو دین کی طرف متوجہ کیا جائے، نماز، روزہ، زکاۃ کے علاوہ آپس میں سلام کا رواج قائم کیا جائے، گھروں میں دینی ماحول پیدا کیا جائے، نیز وقتاً فوقتاً اصلاحی جلسے کا انعقاد کیا جائے۔

(ب)- شادی بیاہ کے موقع پر فضول خرچی اور جہیز کی ناجائز رسموں کے خلاف رسائل اور کتابیں تحریری کر کے بھیجا جائے۔

(ج)- پردہ کی طرف خاص توجہ دی جائے۔

(د)- ٹیلی ویژن، سنیما، ناچ گانا، ڈھول تاشہ، بینڈ باجہ اور جوا تاش ہر قسم کی خرافات سے بچنے کی تلقین کی جائے۔

(ح)- علمائے اہلِ سنت کو چاہیے کہ گھر گھر جا کر تبلیغ کیا کریں۔

(و)- ان امور پر زیادہ سے زیادہ کاربند ہونے کے لیے نوجوانوں کو جوڑنے کی کوشش کی جائے۔ آج ضرورت ہے کہ اربابِ حل و عقد پوری مستعدی اور استقلال کے ساتھ اصلاح معاشرہ کی بھرپور کوشش کریں اور خدا پر بھروسا کر کے حالات کی سازگاری کی تدابیر کریں اور ہمت کے ساتھ علل و اسباب پر نگاہ جمائیں، اگر ان امور کی انجام دہی کے لیے کمربستہ ہو جائیں تو اس سے صرف دینی زبوں حالی کا ہی خاتمہ نہیں ہوگا بلکہ صالح معاشرہ بھی عمل میں آئے گا۔

مرد و عورت کا ایک دوسرے سے مشابہت کرنا حرام ہے:

ابو داؤد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، کہ رسول کریم ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت کی جو مردوں سے تشبہ کریں اور ان مردوں پر جو عورتوں سے تشبہ کریں۔ (سنن ابی داؤد، ج:۴، ص:۸۱)

پھر یہی ابو داؤد نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر بہت لعنت کی جو عورت کا لباس پہنتا ہے اور اس عورت پر لعنت کی جو مردانہ لباس پہنتی ہے۔ (مرجع سابق، ج:۴، ص:۸۳)

یعنی نہ مردوں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ عورتوں جیسی چال و ادا اختیار کریں اور نہ ہی عورتوں کو جائز ہے کہ مردوں جیسی شکل و صورت اور وضع قطع اختیار کریں۔

اس حدیثِ رسول سے وہ لڑکیاں بطور خاص توجہ دیں جو پینٹ شرٹ، اور جنس پہنتی اور پردہ سے دور ہیں۔ کیا اللہ و رسول ﷺ کی ناراضگی و لعنت کے بعد ان کی کامیابی کی کوئی صورت باقی رہ جاتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسی لڑکیاں اور عورتیں اللہ کے نبی ﷺ کی اس حدیث سے نصیحت حاصل کریں۔

میرے آقا ﷺ فرماتے ہیں: تین طرح کے لوگ جنت میں داخل نہیں کیے جائیں گے: (۱) دیوث (۲) وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں (۳) اور ہمیشہ شراب پینے والا۔

(طبرانی، الترغیب والترہیب)

☆☆☆--☆☆☆

الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر اور حضور حافظِ ملت

کلیم اشرف رضوی مظفرپوری

سرکار حافظِ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ والرضوان، بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، ملت اسلامیہ کے اس محافظ و پاسبان کا نام ہے، جس نے ملت کی حفاظت فرمائی ہر ان مؤثر ذرائع کو استعمال فرماکر، جو ملت کی حفاظت وصیانت کے لیے لازمی وسائل تھے- آپ نے ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود، اسے تعلیمی میدان میں آگے بڑھانے اور فرزندان اہل سنت کو علومِ اسلامیہ اور فنون عصریہ سے مزین کرنے کے لیے جو قربانیاں پیش کی ہیں، وہ کسی باخبر حلقے سے پوشیدہ نہیں- آپ نے ملت کی تعمیر وترقی کے لیے ہر طرح سے محنت اور کوشش کی- اس سلسلے میں جس چیز میں آپ نے سب سے زیادہ محنت اور کوشش کی ہے، وہ الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر ہے- آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر میں جس محنت ومشقت اور مصائب وآلام کا سامنا کیا ہے، اس کی مثال برصغیر ہندوپاک میں دور دور تک کہیں دیکھنے کو نہیں ملتی- آپ نے اس کی تعمیر وترقی کے لیے تن من دھن کی بازی لگادی تھی اور اس کے عروج وارتقا کے لیے اپنے خون جگر کا ایک ایک قطرہ بہادیا، حتی کہ اسی اشرفیہ کی خاک میں مدفون ہوگئے- تب جاکر علم وادب کا یہ جگمگاتا شہر "الجامعۃ الاشرفیہ" کی شکل میں اہل سنت وجماعت کو عطا ہوا- جو آج ہندو بیرون ہند کے کروڑوں مسلمانوں کے دل کی دھڑکن بن چکا ہے- اور جو اس وقت پورے ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالمِ اسلام کی ایک ابھرتی ہوئی مرکزی دینی درس گاہ اور نونہالان قوم کی بہترین تربیت گاہ ہے۔ اس لیے مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ حضور حافظِ ملت نے الجامعۃ الاشرفیہ قائم کرکے ملت اسلامیہ پر جو عظیم احسان فرمایا ہے، اس کے لیے ملت اسلامیہ کی گردنیں ہمیشہ حضور حافظِ ملت کے احسان تلے خم رہیں گی- اگر حافظِ ملت نے جامعہ اشرفیہ قائم نہ کیا ہوتا تو آج مسلمانان ہند جہالت وپسماندگی کے نہ جانے کس تاریک صحرا میں بھٹک رہے ہوتے- جامعہ اشرفیہ کی تعمیر وتشکیل کس طرح عمل میں آئی اور اس سلسلے میں حضور حافظِ ملت نے کتنی صعوبتیں برداشت کیں- ذیل میں اجمالاً اس کا بیان کچھ یوں ہے:

حضور حافظِ ملت کے دل میں ایام طالب علمی ہی سے ملت اسلامیہ کی تعلیمی پسماندگی کا احساس تھا اور آپ کی خواہش تھی کہ میری قوم کے فرزند تعلیمی میدان میں آگے بڑھیں اور علم وعمل کے زیور سے آراستہ ہوکر قوم وملت کی خدمات انجام دیں- لہذا جب آپ دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں علوم دینیہ سے لیس ہوگئے اور جامعہ منظرِ اسلام بریلی شریف سے سند فراغت حاصل کرلی، تو آپ کے استاذ گرامی حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے شعبان ۱۳۵۲ھ میں اپنے علاقے کے "مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم" مبارک پور میں آپ کو بحیثیت صدر المدرسین بھیجا- جب حضور حافظِ ملت نے مبارک پور کی سرزمین کو اپنی آمد کا شرف بخشا تو اہل مبارک پور کے درمیان فرحت وانبساط کی عجیب لہر دوڑ گئی- اور مبارک پور کے گم گشتگان راہ کو ایک ایسا رہبر مل گیا جس نے اہلِ مبارک پور کی تقدیر بدل کر رکھ دی- اس وقت وہ مدرسہ ایک مکتب کی شکل میں تھا- آپ نے اپنی شبانہ روز مساعی کے ذریعہ اس میں چار چاند لگا دیے- اس کے ایک سال بعد آپ نے دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم بنام تاریخی "باغ فردوس" ۱۳۵۳ھ میں قائم فرمایا- اس ادارے نے اتنی شہرت حاصل کی کہ چند سالوں کے اندر ہی اندر ملک کے مختلف گوشوں سے طلبہ کا ہجوم امڈ آیا اور یہ ادارہ اپنی وسعت کے باوجود تنگ دامانی پر شکوہ کناں ہونے لگا- تب حضور حافظِ ملت نے ایک ایسا ادارہ قائم فرمانے کا منصوبہ بنایا جو اہلِ سنت وجماعت کے لیے عظیم قلعہ ہو اور جس میں ہندو بیرون ہند کے طلبہ ہزاروں کی تعداد میں اپنی علمی تشنگی بجھا سکیں-

یہ ایک ایسا تعمیری منصوبہ تھا کہ سب کے بس کی بات نہیں تھی کہ اسے پایہ تکمیل کو پہنچادے- کیوں کہ جس طرح یہ منصوبہ بڑا اور اہم تھا اسی طرح اس کی راہ کی رکاوٹیں اور پریشانیاں بھی بے شمار تھیں- آپ نے ان رکاوٹوں اور کٹھنائیوں کی کوئی پرواہ نہ کی- اس لیے کہ حافظِ ملت جدوجہد کے اس کوہ پیکر کا نام ہے کہ جس کے سامنے مصیبتوں اور رکاوٹوں کے پہاڑ بھی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں- آپ کی دن رات کی محنت ومشقت کے بعد آپ کے اس منصوبے کو زمین پر اتارنے کے لیے مبارک پور کے ایک لق ودق صحرا میں ۳۳/ ایکڑ زمین کی خریداری عمل میں آئی- جب حضور حافظِ ملت نے کام کا آغاز فرمانا چاہا تو اس وقت دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم کی مجلسِ انتظامیہ نے اس کی اجازت نہ دی- اس سے آپ کو کافی سخت رنج ہوا، لیکن آپ کے پایہ استقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش نہ آئی- اور جب آپ کو یہ یقین ہوگیا کہ یہ کام مبارک پور کی سرزمین پر پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکے گا تو آپ نے اس کام کے لیے بلرامپور کی سرزمین کو منتخب فرما لیا اور مبارک پور سے بلرامپور منتقل ہونے کا عزمِ مصمم کرلیا- جب مبارک پور کے مخلص اور غیور مسلمانوں کو اس بات کی اطلاع ملی تو انھوں نے آپ سے التجا

رکن: تحریکِ اصلاحِ ملت، مظفرپور، بہار

کی کہ آپ اپنا کام یہیں رہ کر مکمل کریں، ہم ہر طرح سے آپ کے ساتھ ہیں- یہاں تک کہ اگر جان کی بھی ضرورت پڑی تو ہم اس سے بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے -اور ہم اس وقت تک اپنے بال بچوں کے ساتھ آپ کے دروازے پر دھرنا دیں گے جب تک آپ مبارک پور کو چھوڑنے کا ارادہ ترک نہیں کر دیتے- حضور حافظِ ملت کو اہل مبارک پور کے اس مخلصانہ جذبے کے احترام میں مجبوراً اپنا ارادہ بدلنا پڑا اور آپ مبارک پور ہی میں اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے مقیم ہو گئے-

اب آپ نے اس کی تکمیل کے لیے جد وجہد شروع کیا-زمین کی خریداری عمل میں آچکی تھی-اس لیے اب عمارت کھڑی کرنے کے لیے ایک خطیر رقم کی ضرورت تھی- حضور حافظِ ملت نے اس کے لیے اپنے آپ کو بالکل وقف کر دیا اور اشرفیہ کی تعمیر کے لیے طرح طرح کی صعوبتیں برداشت کیں- حتی کہ ایام پیری میں بھی کبھی سائکل سے یا پیدل چلنے کی ضرورت پیش آئی تو بھی آپ نے قدم پیچھے نہیں ہٹایا-جسم اگر چہ بوڑھا تھا، مگر ہمت وعزم اس قدر جوان تھے کہ اس کام کے لیے چلملاتی دھوپ میں بھی میلوں پیدل یا سائکل سے چلتے پھر بھی آپ کی پیشانی پر تھکاوٹ کے آثار نظر نہیں آتے-جب بھی آپ اشرفیہ کی تعمیر کے سلسلے میں نکلتے تو آرام کا نام بھی نہیں لیتے-جوان لوگ تھک جاتے مگر آپ نہیں تھکتے-بلکہ آپ فرماتے کہ "جب میں دین کے کام کے لیے نکلتا ہوں تو مجھے آرام ملتا ہے"-اس طرح حضور حافظِ ملت اس عظیم کام کی خاطر ہر وقت کوشش میں لگے رہتے-خود بھی دور دراز مقامات کا سفر کرتے اور اہلِ خیر حضرات کو اس کار خیر میں حصہ لینے کے لیے رغبت دلاتے-ساتھ ہی ملک کے مختلف گوشوں میں اپنے وفود بھیجتے اور وہ فتح و کامرانی کے ساتھ واپس آتے-اس طرح جب سارے اسباب فراہم ہو گئے اور وہ دن جس کا خواب حضور حافظِ ملت نے برسوں پہلے اپنی آنکھوں میں سجا کر جد وجہد کی مشقت بھری گھاٹیوں کو عبور کیا تھا، وہ جب قریب ہو گیا تو ۶ مئی ۱۹۷۲ء کو حضور مفتیٔ اعظم ہند بریلوی، حضرت سید العلما مارہروی، حضرت مجاہدِ ملت اڑیسوی علیہم الرحمۃ والرضوان وغیرہ اجلہ علما ومشائخ کے مقدس ہاتھوں "الجامعۃ الاشرفیہ "کا سنگِ بنیاد مبارک پور کے ایک صحرا میں رکھ دیا گیا-جامعہ اشرفیہ کے سنگِ بنیاد کی جو منظر کشی تاجدار (weekly) ممبئی نے کی ہے، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے-"مفتیٔ اعظم ہند قبلہ کی رہبری میں جب علما کا قافلہ چلا تو اعلان وہدایت کے باوجود مسلمانوں کا اپنے جذباتِ مسرت پر قابو پانا ناممکن ہو گیا- رضا کاروں کی پوری فوج اپنی کوشش کے باوجود دیوانگیِ شوق کے اس قابلِ احترام اظہار پر نظم ونسق کا کوئی پہرہ نہ بٹھا سکی-جذباتِ محبت کے دیوانے اپنے اکابر کی قدم بوسی، دست بوسی اور مصافحہ کے لیے شوق کی وارفتگی میں مچل رہے تھے-حضور مفتیٔ اعظم ہند کی قیادت میں جب علما کا کارواں اس سرزمین پر پہنچا جہاں سنگِ بنیاد رکھا جانے والا تھا، تو پوری فضا عشق وایمان اور کیف وسرور کی برسات میں بھیگی ہوئی تھی، جذبۂ مسرت سے چھلکتے ہوئے آنکھوں کے پیمانے لب پہ درود وسلام کے نذرانے رہ رہ کر نعرۂ تکبیر ورسالت کی تکرار پوری فضا پر عشق ومحبت اور شوق وتمنا کا پھیلا ہوا جادو اس ماحول میں حضور مفتیِ اعظم ہند کا اس یونیورسٹی کے لیے پہلی اینٹ رکھنا، ایک ایسا نورانی منظر تھا، جس کی لذت روح تو محسوس کر سکتی ہے، مگر الفاظ ومعانی کی دنیا تعبیر سے قاصر ہے"-

(تاجدار، ممبئی، ۱۲ مئی ۱۹۷۲ء ص:۷)

یقیناً وہ منظر بہت حسین منظر رہا ہوگا جب اہل وسنت وجماعت کے فرزندوں کے لیے حضور حافظِ ملت اپنے اکابر کے ساتھ جامعہ اشرفیہ کی بنیاد رکھ رہے ہوں گے -آپ نے جامعہ کی بنیاد رکھنے کے بعد کئی ایک کانفرنسیں منعقد کیں جس میں جامعہ کی عمارتوں، اس کے نصابِ تعلیم، موجودہ معاشرہ کی اخلاقی، اصلاحی، تبلیغی، اجتماعی، اور علمی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر، عربی مدارس کے طلبہ کی ذہنی، علمی اور عملی تربیت کے لیے ایک جامع نظام کی ترتیب، عربی مدارس کے درمیان تعلیمی معیار کی حد بندی پر غور وفکر وغیرہ، اس کانفرنس میں ان چیزوں کا حل تلاش کیا گیا-جس پر بحمدہ تعالی عملی کارواں اب تک رواں دواں ہے-(ملخصًا: مختصر سوانحِ حافظِ ملت از: اختر حسین فیضی مصباحی، ص:۶۷،۶۶)

یہ ایک مختصر سی روداد تھی جامعہ اشرفیہ کی تعمیر وتشکیل کی- حضور حافظِ ملت جامعہ کی بنیاد رکھنے کے بعد سے لے کر تاحیات اس کی ترقی کے لیے کوشاں رہے، حتی کہ اسی کے صحن میں آخری سانس لی اور ۳۱/ مئی ۱۹۷۶ء شب ۱۱ بج کر ۵۵ منٹ پر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے-

اللہ رب العزت نے حضور حافظِ ملت کی محنت اور کوشش کو رائگاں نہ ہونے دیا بلکہ آپ کی کوشش کو درجہ کمال تک پہنچا دیا-اور اس طرح حضور حافظِ ملت کی محنت وجفاکشی رنگ لائی اور آپ نے اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر کر ہی دیا-اور آپ کی محنت اور کوشش نے اعظم گڑھ کے ایک غیر معروف قصبہ کو شہرتِ دوام بخش دی-اور اہلِ سنت وجماعت کے افراد کو علم وادب کا ایک خوبصورت شہر عطا کر دیا-جس شہر سے تاقیامت علوم وفنون کے ماہرین پیدا ہوتے رہیں گے اور قرآن وحدیث کے علم کو عام وتام کرتے رہیں گے-

حضور حافظِ ملت اس ادارے کی ترقی کے لیے ہر وقت اپنے اکابر علما اور مرشدان طریقت سے دعا کی درخواست فرماتے رہتے تھے-سرکار حافظِ ملت کی اسی محنت اور اخلاص کا نتیجہ ہے کہ آج الجامعۃ الاشرفیہ سورج کی ہر نئی کرن کے ساتھ عروج وارتقا کی ایک نئی راہ پر گامزن ہے-اور ہزاروں مخالفت کے باوجود آسمان کی بلندیوں کو چھوتا ہوا نظر آرہا ہے-

بارگاہ رب العلی میں دعا ہے کہ سرکار حافظِ ملت کے اس تعلیمی وتربیتی مشن کو اور زیادہ ترقی عطا فرمائے اور اسے حاسدین کے سایہ سے بھی محفوظ رکھے- اور ہمیں تاحیات اس ادارے سے محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے-

نقوش زندگی

حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی حب الوطنی

مولانا فیاض احمد مصباحی

آج اشرفیہ، فرزندان اشرفیہ اور افکار حافظ ملت اپنے اسلامی افکار و نظریات کی وجہ سے پوری دنیا کو اپنی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کررہے ہیں۔ تحقیق وتدقیق کی خاردار وادیاں ہوں یا ٹیکنالوجی کی بارونق بہاریں ملک کی سیاست ہو یا قوم کی مصلحانہ قیادت ہر میدان میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کے روحانی فرزند فرحت بھری مسکان بکھیر رہے ہیں ۔ ایمانی جذبے کے ساتھ وطن کی محبت کے ترانے کی نغمہ سنجی ہو یا دشمنان وطن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مومنانہ جرات کے ساتھ بات کرنے کی ظریفانہ ہنرمندی ہو ہر جگہ اس مرد آہن کی محبت بھری تعلیم رہنمائی کررہی ہے ۔ ہندوستان کی محبت حافظ ملت کی روح میں اتنی رچی بسی تھی کہ جوانی سے لے کر بڑھاپے تک اپنے شاگردوں کی طاقت ور فوج کے دلوں میں حب الوطنی کا جذبہ حرزجاں بناکر انڈیلتے رہے یہی وجہ ہے کہ آپ کے نامور شاگردوں نے ہندوستانی عوام کی ضرورت کو سمجھا اور جہاں جس طرح کی ضرورت محسوس ہوئی اسے پورا کیا۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ اپنی پوری زندگی اسلامیان ہند کے سینے میں وطن کی محبت کا چراغ روشن کرتے رہے ۔ جامعہ اشرفیہ آپ کے محب وطن ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے ۔ کیونکہ حافظ ملت علیہ الرحمہ نے عظیم الشان جامعہ کا خواب تقسیم ہند کے بعد لوگوں کے سامنے پیش فرمایا اگر دل میں کسی طرح کا لوچ ہوتا تو آپ اپنا تعلیمی مشن اور عزیزی فکر اپنے سینے میں لیے چلے جاتے یا پھر سرحد پار کی زمین دیکھتے۔

دوران طالب علمی سے آپ کا اخلاص، بلند ہمتی، مردم شناسی اور ہمالہ صفت علم آپ کے اساتذہ اور ساتھیوں کی نظر میں تھا تقسیم وطن کے خون آشوب حالات سے جب یہاں کے علما گزرے تو بہتوں نے ہجرت کی حالانکہ تقسیم وطن میں ایسی کوئی شرط نہیں تھی اور نہ ہی ان خطوط کو سامنے رکھ کر منقسمین نے تقسیم کی بے جا لکیریں کھینچی تھیں کہ عوام الناس اور خواص طبقہ کو دل سوز حالات کا سامنا کرنا پڑے گا ۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ باہری فضا اتنی مکدر کردی گئی کہ عوام متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی ۔ وہ تو حافظ ملت علیہ الرحمہ کی مومنانہ فراست اور درویشانہ حکمت تھی کہ آپ بھانپ گئے اورآپ نے ترک وطن کی سخت مخالفت کی ورنہ اگر آپ بھی ترک وطن کرتے تو سرحد پار بھی علم کا سورج پورے آب و تاب کے ساتھ چمکتا اور عوام بھی محبت کے ساتھ اپنے دلوں میں بسا کر رکھتی کیونکہ آپ کے وصال کے بعد جب آپ کے نامور شاگرد حضرت حافظ جی علیہ الرحمہ (علامہ عبدالرؤف بلیاوی) کسی علمی کام سے پاکستان گئے تو آپ نے اپنے استقبال کے لئے عوام وخواص کے ایک جم غفیر کو اسٹیشن پر پایا جسے دیکھ کر حضرت حافظ جی علیہ الرحمہ بڑے متعجّب ہوئے ۔ معًا یہ خیال بھی گزرا کہ یہ سب میرے مشفق استاذ اور حضور اعلیٰ حضرت علیہما الرحمہ کا فیض ہے ۔ اس سے یہ بات بھی بڑی آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے کہ سرحد کے اس طرف بھی آپ کا سکہ کھنک رہا تھا بالفرض آپ بھی سازش کا شکار ہوجاتے تو وہاں بھی جیسا تعلیمی ادارہ چاہتے بنا لیتے بلکہ بڑی آسانی سے بنا لیتے لیکن وطن کی محبت آپ کے پیروں کی زنجیر بن گئی اور آپ نے اسی محبت کی نشانی اپنے ملک کو ایک ناقابل تسخیر علمی قلعے کی شکل میں دی۔

جب شرپسند عناصر اور خاص طبقہ کی بیمار ذہنیت نے مادر وطن کے سینے پر تقسیم کی لکیر کھینچ دی تو ہجرت کی زبردست آگ کو پورے ملک کی عوام کا مقدر بنادیا گیا، جس آگ کی چنگاری شعلہ بن کر مبارکپور پہنچی لیکن جواں سال حکیم نے اپنی حکمت کے ٹھنڈے پانی سے ہمیشہ کے لیے اسے بجھا دیا۔ آپ نے اس موضوع پر بڑی دانش مندی سے ایک مستقل رسالہ "ارشاد القرآن" لکھا اور اسے پورے ملک میں تقسیم کرایا۔ جلسے کرائے اور ہجرت مخالف جلسوں میں شرکت کی۔ مبارکپور میں جلسہ کرایا گیا جس میں خصوصی خطیب حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مبارک پور کی عوام کو مخاطب کرکے فرمایا:

ہمیں اسی ملک میں رہنا ہے اور اس عزم وحوصلہ کے ساتھ کہ ہمارے اسلامی شعائر کے تمام گوشے حسب سابق قائم ودائم رہیں

گے اور مستقبل میں دین حنیف اور اسکے ارکان پر کسی بھی حملہ کا مقابلہ ہمیں یہیں رہ کر کرنا ہے ،ہندوستان ہمارا وطن ہے ۔اس کے اندر ہونے والی ہر بد عنوانی کو ہمیں خود اپنی کمزوری تصور کرنا ہوگا وطن کا سچا شیدائی وہ ہے جو اس کے ہر غلط اقدام کو اپنی غلطی سمجھ کر اصلاح کی کوشش کرے تاکہ غیر ممالک کی نگاہ میں ملک و وطن کا وقار مجروح نہ ہو۔(اشرفیہ کا ماضی اور حال صفحہ ۲۰)

حافظ ملت علیہ الرحمہ کے مشفق استاذ اور مربی کی ان فرمودات کو بار بار پڑھیں اور ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ آج وطن عزیز کے بگڑے ہوئے خدو خال کو آپ کے ارشادات کی روشنی میں کتنی آسانی سے سنوارا جاسکتا ہے ؟۔

تقسیم ہند کے بعد سرحد پار ہجرت کو لے کر مسلمانوں کی ذہنی کیفیت کا کیا حال تھا تاریخ سے واقفیت رکھنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ایسے حالات میں ترک وطن کی مخالفت وہی کر سکتا تھا جس کے دل میں اپنے وطن کی محبت کی جڑیں بہت مضبوط رہی ہوں۔ان ناگفتہ بہ حالات کو آپ نے اپنے ناخن تدبیر سے حل فرمایا مسلمانوں کو مخاطب کر کے لکھا ”تمھارا رب فرماتا ہے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون**“ یعنی میں جن و انس کو اپنی کیلئے پیدا کیا ہے۔لہٰذا مسلمانو! جب تک تم اپنے وطن میں اپنے رب کی عبادت میں آزاد ہو تمھارا مقصود حاصل ہے ۔ایسی صورت میں ہرگز کہیں جانے کی ضرورت نہیں اور خدانخواستہ تم اپنے رب کی عبادت سے روک دیے جاؤ اور اس مقصود کے حاصل کرنے سے مجبور کر دیے جاؤ تو ایسی صورت میں بشرط اطاعت ترک وطن ضروری ہے اور محض یاد الٰہی کے لیے ضروری ہے، خوشنودی خدا کے لیے ضروری ہے، اس میں کسی خطۂ زمین کی کوئی تخصیص نہیں جہاں بھی امن کے ساتھ اپنے رب کو یاد کر سکو وہاں جاکر اپنے رب کی عبادت کرو اگرچہ جنگل اور پہاڑ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ

رند جو ظرف اٹھائے وہی ساغر بن جائے
جس جگہ بیٹھ کے پی لے وہی میخانہ بن جائے

ارشاد القرآن صفحہ ۲۲

☆☆☆☆

(ص:۲۹/ کا بقیہ)... حضرت مسروق نصف النہار میں بھی نماز پڑھا کرتے تھے ، پوچھا گیا: اس وقت نماز پڑھنا تو مکروہ ہے ؟ مسروق نے کہا: کیوں؟ لوگوں نے عرض کی کہ اس وقت جہنم کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، مسروق نے کہا: جب تو نماز کے ذریعہ اللہ رب العزت کی پناہ مانگنا جہنم کے دروازوں کے کھلنے وقت زیادہ اچھا ہے۔(عمدۃ القاری:۵/ ۸۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے ”أنت عليّ حرام أو هٰذا عليّ حرام“ جیسے الفاظ کہے تو ایسی صورت علامہ بدر الدین عینی حنفی نے قاضی عیاض کے حوالے سے کل چودہ مذاہب بیان کیے ہیں، جن میں کسی نے طلاق رجعی کی بات کہی، کسی نے طلاق مغلظہ کی بات کہی اور کسی نے کفارہ کی بات کہی ہے، لیکن حضرت مَسروق فرماتے ہیں کہ جب کوئی مرد اپنے اوپر کھانا اور پانی حرام کر دیتا ہے تو ایسی صورت میں کچھ واجب نہیں ہوتا، اسی طرح ایسا جملہ کہنے سے بھی کچھ واقع نہیں ہوگا اور یہ کلام لغو ہو جائے گا۔(عمدۃ القاری:۱۹/ ۲۴۸)

ربیبہ کی ماں کی جانب دیکھنے کے سلسلے امام مالک فرماتے ہیں: جب مرد اس کے بال یا سینے یا کسی دوسرے حسن کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھے گا تو مرد پر ماں اور بیٹی دونوں حرام ہو جائیں گی۔ اہلِ کوفہ کہتے ہیں: اگر کسی نے عورت کے فرج کو شہوت کے ساتھ دیکھا تو یہ شہوت کے ساتھ چھونے کی مانند ہے، لہٰذا حرمت ثابت ہوگی۔ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں: محض چھونے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ لیکن حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ محض دیکھنے ہی سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔
(عمدۃ القاری:۲۰/ ۱۰۴)

قاضی کے قضا پر اجرت لینے کے سلسلے میں جمہور کہتے ہیں کہ اجرت لینا جائز ہے۔ لیکن حضرت مسروق اسے مکروہ بتاتے ہیں۔
(عمدۃ القاری:۲۴/ ۲۴۲)

یہ حضرت مسروق کے چند ایسے تفردات ہیں، جن سے ان کی اجتہادی شان اور جلالتِ علمی کا پتہ چلتا ہے۔آپ معیارِ علم کی کس بلندی پر فائز تھے، اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ عامر شعبی، ابو اسحاق سبیعی، شقیق بن سلمہ، مکحول شامی، ابراہیم نخعی، ابوالاحوص اور ابو الشعثاء محاربی جیسے صاحبانِ فضل و کمال آپ کی درس گاہ کے فیض یافتہ اور خوشہ چیں تھے، جن کی جلالتِ علمی، عظمت و برتری اور تفقہ فی الدین پر عمائدینِ امت کا اتفاق ہے۔ ☆☆☆

انوار حیات

حضرت امام مسروق ابن عبد الرحمٰن ہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

زین العابدین اشرفی

نام: مسروق بن اجدع ہے۔

انھیں مسروق اس لیے کہا جاتا ہے کہ جب یہ چھوٹے تھے توان کو کسی نے چرا لیا تھا۔

کنیت: ابوعائشہ، ابویمانیہ، ابوامیہ، ابوہشام، ابویزید ہے۔

لقب: علامہ ذہبی نے انھیں ”الامام، القدوة“ اور ”العَلَم“ جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۲۴، دار الحدیث، القاہرۃ، ۲۰۰۶)

والدِ گرامی: والدِ گرامی کا نام اجدع تھا۔ لیکن شعبی کہتے ہیں کہ جب مسروق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں پہنچے تو انھوں نے کہا: تو کون ہے؟ مسروق نے کہا: مسروق بن اجدع، حضرت عمر فاروق نے فرمایا: اجدع تو شیطان ہے اور تم تو مسروق بن عبد الرحمٰن ہو، اس کے بعد حضرت مسروق اپنے والد کا نام عبد الرحمٰن بتانے لگے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/ ۲۶۲، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۰۹ھ)

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ اجدع خود حضرت عمر فاروق کی بارگاہ عالیہ میں آئے اور وہ شاعر بھی تھے، حضرت عمر نے پوچھا: تم کون ہو؟ انھوں نے عرض کی: اجدع، حضرت عمر فاروق نے فرمایا: اجدع تو شیطان ہے اور تم عبد الرحمٰن ہو۔

(الطبقات: ۶/ ۱۳۹، ۱۳۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۰)

ان دونوں روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ مسروق کے والد کا نام اجدع تھا، جسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام لانے کے بعد عبد الرحمن میں تبدیل فرما دیا۔

سلسلۂ نسب: مسروق بن عبد الرحمٰن [اجدع] بن مالک بن امیہ بن عبد اللہ بن مر بن سلمان یا سلامان بن معمر بن حارث بن سعد بن عبد اللہ بن وادعہ بن عمرو بن عامر بن ناشح بن رافع بن مالک بن جشم بن جاشد بن جشم بن خیوان بن نوف بن ہمدان۔ (تھذیب الکمال: ۲۷/ ۴۵۱، موسسة الرسالة، بیروت، ۱۹۸۰)

آپ کے سلسلۂ نسب میں زیادہ اختلاف واقع نہیں ہوا ہے، تقریباً سارے تذکرہ نگاروں نے ایک ہی نسب نامہ بیان کیا ہے، البتہ کہیں کہیں حروف کے تقدم و تاخر میں اختلاف ہے۔ مثلاً ”الطبقات“ میں سلمان کی جگہ سلیمان ہے اور ابن حبان کی ”الثقات“ میں ”وادعہ“ کی جگہ وداعہ ہے۔ (الثقات لابن حبان: ۵/ ۴۵۶، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد دکن، الہند، ۱۹۷۳)

خاندانی پس منظر: آپ کا تعلق یمن کے مشہور خاندان ہمدان سے تھا، آپ اصلاً یمنی اور ہجرۃً کوفی تھے۔ امام ابوداؤد نے کہا: مسروق کے والد یمن کے مشہور شہسوار تھے، مزید کہا کہ مسروق حضرت عمرو بن معدی کرب جو مشہور بہادر، عظیم گھوڑ سوار اور فارس العرب تھے، ان کے بھانجے تھے اور ان کے والد حضرت اجدع بھی مسلمان تھے۔

(تھذیب الکمال: ۲۷/ ۴۵۱، موسسة الرسالة، بیروت، ۱۹۸۰)

ولادت: کسی مؤرخ نے اس بات کی صراحت نہیں کی ہے کہ آپ کی ولادت کب ہوئی، لیکن ان کی تاریخ ولادت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی وفات بقول فضل بن عمرو وغیرہ ترسٹھ ۶۳ سال میں ہوئی (مختصر تاریخِ دمشق: ۲۴/ ۲۵۲، دار الفکر للطباعۃ والتوزیع والنشر، دمشق، ۱۹۸۴) اور ان کی تاریخِ وفات بقول جمہور ۶۳ ہجری ہے۔

(الاصابۃ: ۶/ ۲۳۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس لحاظ سے بڑی آسانی کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی ولادت ۱/ ہجری میں ہوئی ہے اور اگر بقول بعض تاریخِ وفات ۶۲ ہجری مان لی جائے تو بھی ان کی تاریخِ ولادت ہجرتِ نبوی کے ایک سال قبل ہوئی ہوگی۔ اور اگر بقول حربی وفات کے وقت ان کی عمر ۷۸/ سال تھی۔ (اکمال تھذیب الکمال: ۱۱/ ۱۵۵) تو اس لحاظ سے ان کی ولادت بعثتِ نبوی کے دو سال قبل ہوئی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قبول اسلام: اس بارے میں کوئی صراحت نہیں ملتی کہ حضرت مسروق نے کس سن میں اسلام قبول کیا، ہاں البتہ اس بات کی صراحت

موجود ہے کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے اور آپ کی حیاتِ ظاہری میں اسلام قبول کیا ہے، تاہم ملاقات ثابت نہیں ہے۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے: "وَفِي الْمُخَضْرَمِيْنَ الَّذِيْنَ أَسْلَمُوا فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ ﷺ" آپ کا شمار ان مخضرمین میں ہے، جنھوں نے حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اسلام قبول کیا (سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۲۴)۔ علامہ ابن حجر "الاصابہ" میں لکھتے ہیں کہ وہ حضور ﷺ کے وصالِ مبارک کے بعد یمن سے آئے تھے۔ (الاصابہ: ۶/ ۲۳۰)

صحابہ سے اکتسابِ فیض: مسروق نے متعدّد صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا ہے: مثلاً حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت معاذ، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبد اللہ بن عمرو، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت معقل بن سنان، حضرت خباب بن ارت، حضرت عائشہ، حضرت سبیعہ اسلمیہ، حضرت ام سلمہ اور اپنی ماں حضرت ام رومان اس کے علاوہ تابعین میں حضرت عبید بن عمر لیثی سے بھی علمی پیاس بجھائی ہے۔

(تاریخ الاسلام: ۲/ ۱۲۷، دار الغرب الاسلامی، ۲۰۰۳، تہذیب الاسماء واللغات: ۲/ ۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، تہذیب الکمال: ۲۷/ ۴۵۱)

تلامذہ: انس بن سیرین، ایوب ہانی، حبال بن رفیدہ، ابو وائل شقیق بن سلمہ، عامر شعبی، عبد اللہ بن مُرہ خارفی، عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعود، عبید بن نضلہ، عمارہ بن عمیر، قاسم بن عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعود، محمد بن نشر، مکحول شامی، یحیٰی بن جزار، ابو الاحوص، ابو الشعثاء محاربی، سعید بن جبیر، ابو الضحیٰ، ابراہیم نخعی، یحیٰی بن وثاب، ابو اسحاق سبیعی، عبد اللہ بن مرّہ وغیرہم جیسے اربابِ علم ومعرفت نے آپ کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہ کیا ہے۔ (تاریخ الاسلام: ۲/ ۱۲۷، تہذیب الاسماء واللغات: ۲/ ۸۸، تہذیب الکمال: ۲۷/ ۴۵۱)

اسلامی معرکوں میں شرکت: حضرت مسروق نے اسلام لانے کے بعد چند معرکوں میں حصہ بھی لیا ہے۔ جنگِ قادسیہ میں اپنے تین بھائیوں کے ساتھ شریک رہے، تینوں بھائی اسی جنگ میں شہید ہوئے، لیکن مسروق زخمی ہوئے، ہاتھ شل ہوا اور سر میں چوٹ آئی، ایک قول کے مطابق جنگِ صفین میں بھی شریک رہے، لیکن جنگ کرنے سے اجتناب کیا، جنگِ نہروان میں حضرت علی کے ساتھ خوارج کا مقابلہ بھی کیا اور ایک ضعیف قول کی بنیاد پر جنگِ حروریہ میں بھی حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کے ساتھ رہے۔

(تاریخ الاسلام: ۲/ ۱۲۷، الطبقات: ۶/ ۱۴۰، سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۲۶)

وفات: آپ کا وصال ظالم وجابر امیر عبید اللہ بن زیاد کے دور حکومت میں کوفہ کی سرزمین پر ہوا۔ آپ کی تاریخِ وفات کے متعلق عام طور پر دو قول ملتے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کی وفات ۶۲ ہجری میں ہوئی، لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ کا وصال ۶۳ ہجری میں ہوا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی، ابو نعیم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وقال أبو نعيم: مات سنة اثنتين وستين، وأرّخه غيره سنة ثلاث وستين، وهو قول الجمهور."

ابو نعیم نے کہا کہ ان کی وفات ۶۲ ہجری میں ہوئی، لیکن دوسرے علما نے ۶۳ ہجری بتائی ہے اور یہی قول جمہور ہے۔ (الاصابہ: ۶/ ۲۲۹، ۲۳۰)

مدفن: شعبی کہتے ہیں کہ ابن زیاد نے حضرت مسروق کو ان کی وفات سے تقریبًا ایک سال یا دو سال قبل "سلسلہ (یہ مقام واسط میں واقع ایک علاقہ ہے)" بھیجا، لہٰذا وہ وہاں گئے اور اسی جگہ ان کا وصال ہوا۔ ابو شہاب حناط نے کہا کہ آپ کو مقام واسط کے "سلسلہ" نامی علاقہ میں دفن کیا گیا۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: قبیلۂ نبط سے تعلق رکھنے والی ایک مشرکہ عورت جو ان کے لیے نمک لاتی تھی، اس کا بیان ہے کہ جب بھی پانی کا قحط پڑتا، ہم حضرت مسروق کی قبرِ مبارک کے پاس آتے اور ان کی قبر مقام "سلسلہ" میں تھی۔ پھر ہم پانی طلب کرتے تو ہمیں پانی دیا جاتا، مزید کہا کہ پھر ہم ان کی قبر پر شراب چھڑکتے، ایک دن وہ ہمارے خواب میں آئے اور کہا: اگر تم لوگ کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو خوشبو چھڑکا کرو۔

(تاریخ الاسلام: ۲/ ۱۲۷، الطبقات: ۶/ ۱۴۵)

فضل وکمال: کتب تاریخ وسیر کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسروق بن عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ رب العزت نے گوناگوں خوبیوں سے نوازا تھا، آپ عابدِ شب زندہ دار تھے یہاں تک کہ کثرتِ عبادت کی وجہ سے پاؤں سوج جاتے تھے، خلوت نشینی آپ کا خاص ذوق، زہد وقناعت آپ کا شعار، توکل علی اللہ طرۂ امتیاز، خدمتِ خلق آپ کا وصفِ عالی، اخلاص وللّٰہیت خدائے یکتا کا خاص عطیہ، عدل وانصاف آپ کا حق تراث اور خوفِ الٰہی وخشیتِ ربانی آپ کی زندگی کا جزو لاینفک تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کے عالم ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اللہ رب العزت سے ڈرے اور جاہل ہونے کے

لیے یہی چیز کافی ہے کہ وہ اپنے عمل سے خوش ہو جائے۔ آپ اللہ رب العزت کی بارگاہ عالیہ میں ہمہ وقت توبہ واستغفار کرنے والے بندۂ کامل اور تصوف کی حقیقت تک پہنچے ہوئے ولی بافیض بلکہ ولی تراش تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مردِ حقیقی وہی ہے جو اپنی مجلسِ تنہائی میں اپنے گناہ یاد کرے اور اللہ رب العزت سے توبہ واستغفار کرے۔

جلالتِ علمی اور ائمۂ اعلام کی شہادتیں: آپ علم وفضل کے امام اور فقہ وفتاویٰ میں مرجعِ خلائق تھے، شریعت کے رمز شناس، قرآن وحدیث کی عقدہ کشائی کرنے والے مفسر ومحدث، درجۂ اجتہاد پر فائز مجتہد اور اپنے زمانے کے یکتائے روزگار فقیہ تھے۔ طلبِ علم آپ کی جبلتِ حسنہ تھی، علم ودانائی اور تفقہ فی الدین آپ کی برتری وعظمت اور شوکت وسطوت تھی۔ آپ نے اکابر صحابہ اور بڑے بڑے اساطین فضل وکمال سے علم حاصل کیا ہے۔ طلبِ علم کا عالم یہ تھا کہ کبھی کبھی محض ایک ہی آیت کے لیے کئی کئی شہر کا سفر کیا کرتے تھے۔

شعبی کہتے ہیں: ”مسروق بصرہ میں ایک آدمی کے پاس کسی آیت کی بابت پوچھنے کے لیے آئے، لیکن آدمی کے پاس اس کے متعلق کوئی جانکاری نہ تھی، اس نے کسی شامی کے بارے میں بتایا، مسروق ہمارے یہاں آنے کے بعد اس شامی آدمی کے پاس بھی گئے۔“

(حلیۃ الاولیاء:۲/۹۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۹ھ)

حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

” يا أهل الكوفة لن تعجزوا أن تكونوا مثل الهمداني والسلماني.“

اے کوفیو! تم ہمدانی (مسروق بن اجدع) اور سلمانی (عبیدہ بن عمرو) کی نظیر لانے سے عاجز ہو۔ (طبقات الفقہاء:۱/۷۹، دار الرائد العربی، ۱۹۷۰ء)

ابن سعد نے انھیں کوفہ کے طبقۂ اولیٰ کے محدثین وفقہا میں شمار کیا ہے۔ (الطبقات:۶/۱۳۸)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

”مَا عَلِمْتُ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ كَانَ أَطْلَبَ للعلم فِي أُفُقٍ مِنَ الآفَاقِ مِنْ مَسْرُوقٍ“

روئے زمین پر میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو مسروق سے زیادہ علم کا حریص ہو۔“ (تاریخ الاسلام:۵/۲۳۵)

شعبی کہتے ہیں:

”مَا رَأَيْتُ أَطْلَبَ لِلْعِلْمِ مِنْهُ. كَانَ أَعْلَمَ بِالْفَتْوٰى مِنْ شُرَيْحٍ“

میں نے ان سے بڑھ کر علم کا متلاشی نہیں پایا، وہ فقہ وفتاویٰ میں شریح سے بھی آگے تھے۔“

(العبر فی خبر من غبر:۱/۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اور یہ بھی کہا کہ شریح مسروق سے مشورہ لیتے تھے، لیکن مسروق کو شریح کے مشورے کی حاجت نہ تھی۔“

(الطبقات:۶/۱۴۴، تاریخ الاسلام:۲/۱۲۷)

مرہ کہتے ہیں: ”کسی ہمدانی عورت نے مسروق جیسا کوئی بچہ نہ جنا۔“ (الطبقات:۶/۱۴۱)

علی بن مدینی کہتے ہیں:

”مَا أُقَدِّمُ عَلَى مَسْرُوْقٍ أَحَداً مِنْ أَصْحَابِ عَبْدِ اللهِ“

میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں میں سے کسی کو مسروق پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ (سیر اعلام النبلاء:۴/۶۷)

شعبی کہتے ہیں: ”مسروق منصبِ قضا پر بھی فائز تھے۔ قاسم بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں: کبھی قضا پر اجرت نہیں لیتے تھے۔ شعبی نے کہا: وہ کہتے تھے کہ میرے نزدیک حق ودرست فیصلہ کرنا اللہ رب العزت کی راہ میں ایک سال تک جہاد کرنے سے بہتر ہے۔“ (الطبقات:۶/۱۴۴)

محمد بن منتشر نے بھی کہا: مسروق قضا پر اجرت نہیں لیتے تھے اور اس آیتِ کریمہ کی تلاوت فرماتے تھے: ”اللہ رب العزت نے مومنین سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔“

(حلیۃ الاولیاء:۲/۹۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۹ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

”واتفقوا على جلالته وتوثيقه وفضيلته وإمامته.“

ان کی علمی جلالت، ثقاہت اور فضیلت وامامت پر اہلِ علم کا اتفاق ہے۔ (تہذیب الاسماء واللغات:۲/۸۸)

یحییٰ بن معین کہتے ہیں: مسروق ایسے ثقہ ہیں کہ ان کی نظیر نہ پوچھو۔ (تہذیب الکمال:۲۷/۴۵۵)

تفقہ اور اجتہاد: آپ کوفہ جیسے چمنستانِ علم ومعرفت میں رہے، جسے ۱۷ہجری میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آباد فرمایا، جہاں بڑے بڑے صحابہ نے علم کی روشنی بکھیری، حضرت عبد اللہ بن مسعود نے جس شہر کو علم وفقہ کی دولتِ لازوال عطا فرمائی حتیٰ کہ اس نو آباد شہر میں چار ہزار علما، فقہا اور محدثین پیدا ہو گئے، جسے دیکھ کر بابِ مدینۃ العلم

حضرت مولائے کائنات بھی پکار اٹھے کہ اللہ تعالیٰ ابنِ مسعود پر رحم فرمائے، انھوں نے اس شہر کو علم وآگہی سے بھر دیا ہے، جس خطۂ پُرانوار کی بابت عجلی نے کہا کہ ۱۵۰۰ سو صحابہ نے قیام فرمایا، جن میں ۷۰/ اصحاب بدری تھے، جہاں بعض صحابہ بھی تابعین سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ حضرت مسروق نے اتنے عظیم شہر اور مرکزِ علم وروحانیت میں اپنی علمی تشنگی بجھائی اور علم کی شمعِ فروزاں سے روشنی حاصل کی، بطور خاص حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عائشہ صدیقہ سے علمِ فقہ کی خیرات لی اور فقہ وفتاویٰ میں مرجعِ انام ہوگئے حتیٰ کہ قاضیِ وقت حضرت شریح بھی آپ سے مشورہ لینے کے خواہاں رہتے تھے۔ آپ کی فقاہت، بالغ نظری، دقیق الخیالی اور علمی بلندی کا عالم یہ ہے کہ فقہ کے اکثر وبیشتر ابواب میں خواہ وہ طہارت، جنابت، صلاۃ، زکات، روزہ، حج، وراثت، قضاءت ہوں یا جنایات، دیّات، عقوبات، بینات، بیع، ربا، اجارہ، ایمان، نکاح، طلاق، خیار، عدت، رضاعت، وصیت اور فرائض ہوں، ان سب میں آپ کی مرویات موجود ہیں، جو آپ کی فقیہانہ بصیرت پر شاہدِ عدل ہیں۔ ہم ذیل میں اپنی بات کی تائید وتوثیق کے لیے ان کی کچھ مرویات ذکر کرتے ہیں۔

حضرت مسروق، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "بغیر طہارت اور مجھ پر درود کے کوئی بھی نماز مقبول نہیں ہے۔"

(سنن الدارقطنی: ۲/ ۱۷۰، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۲۰۰۴)

"حضرت مسروق، حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ غسلِ جنابت فرماتے، پھر میرے غسل کرنے سے پہلے گرمی حاصل کرتے۔"

(سنن ابن ماجہ: ۱/ ۱۹۲، دار احیاء الکتب العربیہ)

حضرت مسروق، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتی ہیں: "میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز میں آدمی کے پلٹنے کے متعلق پوچھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک جھپٹ ہے، جسے شیطان بندے کی نماز سے جھپٹتا ہے۔" (صحیح بخاری: ۴/ ۱۲۵، دار طوق النجاہ، ۱۴۲۲ھ، سننِ ابی داؤد: ۱/ ۲۳۹، المکتبۃ العصریہ، صیدا، بیروت)

مسروق، حضرت معاذ بن جبل سے راوی ہیں، انھوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے جانبِ یمن بھیجا اور ہر چالیس گائے میں سے ایک "مِسنّہ" (تیسرے سال میں داخل ہونے والی) اور ہر تیس میں سے ایک "تبیع" یا "تبیعہ" (دوسرے سال میں داخل ہونے والی) لینے کا حکم دیا۔ (سنن ابن ماجہ: ۱/ ۵۷۶)

مسروق، حضرت عائشہ سے راوی ہیں، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں بوسہ لیتے اور مس کرتے تھے، حالاں کہ وہ تم میں سب سے زیادہ اپنی خواہشات پر قابو رکھنے والے تھے۔ (صحیح مسلم: ۲/ ۷۷۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

مسروق، حضرت عائشہ سے راوی، انھوں نے کہا: "رسول اللہ ﷺ بحالتِ احرام ہوتے اور میں درمیان سر خوشبو کی چمک دیکھتی۔" (صحیح مسلم: ۲/ ۸۴۸)

مسروق، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں، انھوں نے "جدہ مع ابنہا" کے متعلق فرمایا: یقیناً یہ پہلی جدہ ہیں، جنھیں رسول اللہ ﷺ نے ان کے بیٹے کے ساتھ سدس (چھٹا حصہ) دیا، حالاں کہ ان کا بیٹا زندہ تھا۔

(ترمذی: ۳/ ۴۹۲، دار الغرب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۸)

مسروق، حضرت عبد اللہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے والا ہر قاضی بروز قیامت آئے گا، فرشتہ اسے پیچھے سے پکڑے ہوگا، پھر وہ آسمان کی جانب دیکھے گا تو اللہ رب العزت فرمائے گا کہ اسے جہنم میں ڈال دو تو فرشتہ اسے چالیس سال کی ہلاکت میں ڈال دے گا۔"

(سنن ابن ماجہ: ۲/ ۷۷۵)

مسروق، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔" (المعجم الکبیر: ۱۰/ ۱۵۷، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ)

حضرت مسروق، حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں، وہ نبی ﷺ سے، آپ نے فرمایا: "جس انسان کو بھی قتل کیا جائے اس کا ذمہ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر ہوگا۔" (بخاری: ۹/ ۳)

مسروق، حضرت عبد اللہ سے راوی ہیں، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کلمۂ شہادت کی گواہی دینے والے مسلمان مرد کا خون محض تین ہی چیزوں سے حلال ہوتا ہے (۱) اس نے کسی کو ناحق قتل کیا ہو (۲) شادی شدہ ہوتے ہوئے زنا کیا ہو (۳) دین کو چھوڑ کر جماعت سے الگ ہوگیا ہو۔" (بخاری: ۹/ ۵)

مسروق، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی ہیں، انھوں نے کہا:

میرے پاس نبی ﷺ تشریف لائے، حالاں کہ ایک آدمی میرے پاس موجود تھا، آپ نے فرمایا: اے عائشہ! یہ کون ہے؟ میں نے عرض کی: میرا رضاعی بھائی، فرمایا: اے عائشہ! تحقیق کر لو کہ تمھارے بھائی کون ہیں؟ کیوں کہ رضاعت بھوک (بھوک مٹانے والے دودھ) کی بنیاد پر ثابت ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری: ۳/۱۷۰، باب الشہادۃ علی الانساب)

مسروق، حضرت عائشہ سے راوی ہیں، انھوں نے کہا: "جب سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور لوگوں کے سامنے ان آیات کی تلاوت فرمائی پھر شراب کی تجارت کرنے سے منع فرما دیا۔" (صحیح مسلم: ۳/۱۲۰۶)

مسروق، حضرت عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں، وہ نبی ﷺ سے کہ آپ نے فرمایا: "ربا کے تہتر دروازے ہیں۔" (سنن ابن ماجہ: ۱/۶۵۳)

مسروق، حضرت خباب سے راوی ہیں، انھوں نے کہا: "میں ایک غلام آدمی تھا، لہٰذا میں نے عاص بن وائل کے لیے کام کیا تو ان کے یہاں میرا کچھ روپیہ رہ گیا، پھر میں اسے لینے کے لیے آیا، اس نے کہا: بخدا! جب تک تو محمد عربی (ﷺ) کو نہیں جھٹلائے گا میں تجھے نہیں دوں گا، خباب نے کہا: میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا، حتی کہ تو مر جائے اور تجھے اٹھایا جائے پھر بھی میں ایسا نہیں کروں گا، اس نے کہا: میں مرنے کے بعد اٹھایا جاؤں گا؟ خباب نے کہا: ہاں، اس نے کہا: جب تو وہاں میرے لیے مال و اولاد ہوں گے پھر میں تجھے تیرا مال دے دوں گا۔ الخ" (صحیح بخاری: ۳/۹۲)

مسروق، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جس نے جھوٹی قسم کھائی تاکہ وہ کسی مسلمان آدمی کا مال لے، وہ اللہ رب العزت سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا۔" (المعجم الکبیر: ۱۰/۱۵۷)

مسروق، حضرت عبد اللہ سے اس شخص کے متعلق روایت کرتے ہیں، جس نے کسی عورت سے شادی کی پھر مر گیا، نہ اس کے ساتھ دخول کیا اور نہ ہی اس کا مہر مقرر کیا، عبد اللہ فرماتے ہیں: اس کے لیے مکمل مہر ہوگا، اس پر عدت ہوگی اور اس کے لیے وراثت بھی جاری ہوگی۔ (سنن ابی داؤد: ۲/۲۳۷)

مسروق کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے فرمایا: "ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اختیار دیا، لہٰذا ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو چنا اور نبی ﷺ نے اس اختیار کو ہمارے حق میں کوئی طلاق شمار نہیں کیا۔"
(صحیح بخاری: ۷/۴۳)

مسروق اور عمرو بن عتبہ نے سبیعہ بنت حارث کے پاس ان کے معاملے کی دریافت کے لیے خط لکھا، حضرت سبیعہ نے ان دونوں کے پاس لکھا کہ انھیں شوہر کی وفات کے پچیس دن کے بعد ولادت ہوئی پھر وہ شادی کے لیے تیار ہو گئیں، ابو سنابل بن بعکک کا وہاں سے گزر ہوا، انھوں نے کہا تو نے جلدی کر دی آخری والی یعنی چار مہینہ دس دن والی عدت گزار لو، سبیعہ کہتی ہیں: پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا کہ میرے لیے دعا فرمائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کس معاملے میں؟ تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معاملے سے باخبر کیا، آپ نے فرمایا: اگر کوئی مرد ملے تو شادی کر لو۔ (سنن ابن ماجہ: ۱/۶۵۳)

مسروق، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں، انھوں ے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی دینار، کوئی درہم، کوئی اونٹ، کوئی بکری نہیں چھوڑی اور نہ ہی کسی چیز کی وصیت فرمائی۔ (سنن ابی داؤد: ۳/۱۱۲)

مسروق نے کہا کہ عبد اللہ بن مسعود حقیقی بہنوں سے کہا کرتے تھے کہ حقیقی بھائی، بہن اور علاتی بہنوں کا ثلثان (دو تہائی حصہ) ہے باقی سارا مال مذکر کے لیے ہے، مونث کے لیے نہیں، جب مسروق مدینہ آئے اور اس بارے میں زید بن ثابت کا فرمان سنا تو انھیں اچھا لگا، پھر مسروق کے بعض ساتھیوں نے کہا: کیا آپ عبد اللہ بن مسعود کے قول کو چھوڑ دیں گے؟ مسروق نے کہا: جب میں مدینہ گیا تو میں نے زید بن ثابت کو علمائے راسخین میں سے پایا۔
(سنن سعید بن منصور: ۱/۵۶، الدار السلفیہ، الہند، ۱۹۸۲)

یہ چند فقہی مرویات بطور تائید و نمونہ رقم کی گئی ہیں، جن سے ہر اہلِ علم پر یہ بات آفتابِ نیم روز کی مانند روشن و عیاں ہو گئی ہوگی کہ مسروق کی علمی گہرائی اور فقیہانہ بصیرت کس قدر بلند و بالا ہے۔ اور اگر آپ تحقیق کریں گے تو معلوم ہوگا کہ حضرت مسروق سے صحاح ستہ کے علاوہ بھی کتبِ حدیث میں بہت ساری روایتیں موجود ہیں، جو ان کی علمی اور فقہی عظمت و شوکت کی آئینہ دار ہیں۔

اللہ رب العزت نے حضرت مسروق کو مقام اجتہاد سے بھی سرفراز فرمایا تھا، جس کے نتیجے میں ان کی جانب سے کچھ ایسے تفردات بھی معرضِ وجود میں آئے ہیں، جن میں وہ جمہور امت سے بہت دور اور الگ نظر آتے ہیں۔ اب ذیل میں حضرت مسروق بن عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہی اقوال نقل کیے جا رہے ہیں۔

..............................(باقی ص: ۲۴ پر)

یادِ رفتہ

آخری قسط

مشرقی یوپی میں شوکتِ اسلامی کا

ایک تاریخی مرقع

علامہ ارشد القادری

پیش نظر تحریر حضرت علامہ ارشد القادری کی ایک نایاب کتاب ہے، یہ ۲؍ رجب المرجب ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں ناگ پور کے دورِ قیام میں تحریر فرمائی تھی، اس طویل عہد میں قیمتوں کے معیار میں زمین و آسمان کا فرق ہوا ہے۔ اس تاریخی مرقع میں مبارک پور کے وفا شعار مسلمانوں کی سرگذشت بڑے حیرت انگیز انداز میں سپردِ قلم کی گئی ہے۔ اس میں جامع مسجد راجہ مبارک شاہ کی جدید تعمیر کا ذکر ہے اور اسی کے ساتھ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کا والہانہ تذکرہ ہے۔ آپ نے ۱۹۴۴ء میں دار العلوم اشرفیہ مبارک پور سے فراغت حاصل فرمائی تھی، آپ حضور حافظ ملت کے قابلِ صد اعتماد اور عزیز ترین تلمیذ رشید تھے، آپ تحریک اشرفیہ مبارک پور سے گہری وابستگی رکھتے تھے۔ اب بلا تبصرہ ذیل میں عشق و وارفتگی میں ڈوبی ہوئی اس تحریر کی دوسری اور آخری قسط ملاحظہ فرمائیے۔ از: مبارک حسین مصباحی

ہندوستان میں مسلمانانِ اہلِ سنت کی مرکزی درس گاہ "مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم" جو اہلِ مبارک پور کی علم پرور زندگی کا ایک بے نظیر شاہ کار ہے۔ اشرفی روڈ پر آج اس کی عالی شان عمارت دیکھ کر بہتوں کو شاہی محل کا دھوکا ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس وقت ایشیا بھر میں طرزِ قدیم کے ساتھ علومِ اسلامی کی ٹھوس تعلیم صرف یہیں دی جاتی ہے۔ اہلِ علم میں یہاں کی بلند معیار تعلیم ضرب المثل ہے، یہاں کے مستند علما ہند و پاک پر آسمان کی طرح چھائے ہوئے ہیں۔

اپنے طالب علمی کے وہ بیتے ہوئے دن میں کبھی نہیں بھول سکتا جس زمانہ میں اس کی آخر منزل کے لیے ہنگامی چندہ ہو رہا تھا، عصر سے لے کر مغرب تک چندہ کے اجتماع میں تمام طلبہ کی حاضری ضروری تھی۔

بالکل ایسی ہے جیسے درس گاہوں میں درس کے وقت، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ چار بجے چھٹی کے بعد ہم تمام طلبہ دار العلوم کے بڑے ہال میں جمع ہو جاتے تھے۔ صدر دروازے سے نکل کر روانہ ہونے کا دل کش نظارا نگاہوں میں اب تک پھر رہا ہے۔

جانِ مبارک پور جلالۃ العلم حضرت استاذ علامہ حافظ عبد العزیز صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ اور دیگر اساتذۂ کرام کے پیچھے پیچھے طلبہ کی ایک بہت لمبی قطار ہوتی تھی، جس راستہ سے ہم لوگ گزرتے تھے، لوگ ہماری بشاش ہیئتوں کا تماشا دیکھتے تھے، درویشوں کی صف میں کھڑے ہو کر ہم کتنے مغرور نظر آتے تھے —— کاش وہ شگفتہ زمانہ کسی طرح پلٹ آتا۔

اے عہدِ گذشتہ کی سہانی راتو!
اب تم سے ملاقات نہیں ہو سکتی

طلبہ میں جنھیں شعر و شاعری سے کچھ لگاؤ تھا، وہ چندے میں پڑھنے کے لیے ہر روز تازی تازی نظمیں لکھا کرتے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ زماؔں مبارک پوری کا ایک آتش بار قصیدہ اس وقت اس قدر مقبول ہوا کہ مبارک پور کے بچے بچے کی زبان پر تھا، چندہ میں جس وقت وہ پڑھا جاتا تھا، لوگوں پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، بہت سے گھروں پر تو خاص طور سے اس قصیدے کی فرمائش کی جاتی تھی۔

بہت دن ہو گئے لیکن اس کے مطلع کا بند نہیں بھولتا۔

ہم اپنا مال و زر نذرِ تمنا کر کے چھوڑیں گے
تمام اغیار کو محوِ تماشا کر کے چھوڑیں گے
جہاں میں حسنِ عالم گیر پیدا کر کے چھوڑیں گے
تمھیں ہم قیس کی مانند شیدا کر کے چھوڑیں گے
ہم اپنے مدرسہ کو رشکِ لیلیٰ کر کے چھوڑیں گے

ایک انتہائی دردناک واقعہ یاد آ گیا، جی چاہتا ہے سنا دوں:

تقریباً رات کے گیارہ بجے تھے، ایک بیوہ عورت کے گھر کے سامنے سے چندہ کا جلوس گزر رہا تھا، لوگ اس کے دروازے پر ٹھہرے بغیر آگے بڑھ گئے۔ وہ جانے کس جذبہ میں اتنی رات تک دروازہ کھولے بیٹھی ہوئی تھی، جب اس نے دیکھا تو لاٹھی ٹیکتے ہوئے گھر سے باہر نکلی اور بھرائی ہوئی آواز میں پکارا——

"کیا مدرسہ بیوہ عورتوں کا نہیں ہے؟"

کوئی مجھ سے پوچھے تو بخدا نہیں بتا سکتا کہ اس کے اس جملہ میں اور نشتر میں کیا فرق ہے۔ دلوں پر ایک ایسی چوٹ لگی کہ عمر بھر یاد رہے گی، بالآخر جلوس کو واپس لوٹنا پڑا، مجھے اتنا یاد ہے کہ اس کے دروازے پر ایک انڈا اور تھوڑے سے جو کا چندہ ملا، غالباً اس دن یہی اس کے گھر کی کل کائنات تھی۔

لوگوں کی رائے ہوئی کہ انڈے کو یہیں نیلام کیا جائے، چناں چہ ایک پر ایک بولیاں شروع ہوئیں، اخیر میں ایک صاحب کو پچھتر روپے پر وہ انڈا دے دیا

گیا، انھوں نے وہ انڈا لے کر مدرسہ پر نظر کر دیا۔ پھر دوبارہ اس کا نیلام شروع ہوا، اسی طرح تین بار نیلام ہو ہو کر مدرسہ پر نذر ہوتا رہا، اخیر میں سب نے اپنے رقوم اس بیوہ عورت کے نام درج کرا دیے۔

جہاں تک مجھے خیال ہے اسی جوش و خروش کے ساتھ اس وقت چند ہفتوں میں تقریباً پینتیس ہزار کا چندہ ہوا۔ (یہ چندہ کا ایک تخمینہ ہے، ایسے چندے متعدد بار ہوئے)۔

معاملہ نفسِ واپسیں تک آپہنچا!
ابھی ہوئی ہے محبت کی ابتدا کہ نہیں

میں نے بہت قریب سے ان کے بازوئے ہمت دیکھے ہیں، اتنے مضبوط کہ تھکنا نہیں جانتے، یہ خبر بالکل یقینی ہے کہ آج مبارک پور میں تقریباً اسّی فیصد فاقے ہو رہے ہیں، لیکن سو فیصدی طلبہ کے خورد و نوش کا انتظام اب تک ان کے گھروں میں پرانی روایات کے مطابق جاری ہے۔

کسی مبارک پوری سے ملاقات ہو تو پوچھیے گا!! کہ تمھارے چولھے صرف دار العلوم کے مہمانوں کے لیے سلگتے ہیں یا تمھارے بچوں کا بھی کچھ حصہ ہوتا ہے۔؟

جہاں تک مجھے علم ہے، ان کی تاریخ سے یہ مثال ناپید ہے کہ ان لوگوں نے کسی امرِ دینی کی تکمیل کے لیے بیرونی امداد پر کبھی نظر رکھی ہو، لیکن فتنۂ روزگار کو کیا کہیے کہ آج خطرناک حد تک پہنچی ہوئی معاشی بدحالی اور اقتصادی مشکلات کی بدولت ان کے لیے تعمیر مسجد کا مسئلہ انتہائی دردناک بن گیا ہے۔

وائے بر گردش ایام! کہ جس قوم کے چشمۂ حیات سے ہر طرف زندگی کی کشائش میسر ہے، آج وہی مبتلائے آلام نظر آتی ہے۔

میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ مبارک پور کے سرفراش مسلمان اپنا سارا اندوختہ مسجدِ عزیز کی حرمت پر نثار کر چکے ہیں، اب ان کے گھروں میں سوائے جان فداکار کے اور کچھ باقی نہیں اور وہ بھی ان کی ہتھیلیوں پر ہے۔

نہ دل میں خون، نہ آنکھوں میں اشک جاں کے سوا
کوئی اب ان پہ کرے بھی تو کیا نثار کرے

پس ایسی صورت میں یہ کہنا بالکل قرینِ حقیقت ہے کہ آفاقی اور غیر مقامی مسلمانوں کے لیے ان مجبور بندوں کی طرف دستِ تعاون دراز کرنے کا اب کوئی لمحۂ انتظار باقی نہیں رہا۔ حالات کی اہمیت اس درجہ واقعی ہے کہ اعتذار کی گنجائشوں کے مواقع ختم ہو چکے، بلکہ مجھے اجازت دیجیے تو میں کہوں گا کہ اربابِ مقدرت پر خوشنودیِ حق کی تحصیل اور اجرِ غیر ممنون کی طرف سبقت کا اس سے خوشگوار تر موسم اور کوئی نہیں آسکتا۔

اب ہر مدعیِ اسلام پر وقت نے یہ فرض عائد کر دیا ہے کہ وہ بین الاسلامی عظمت و جلال کی تاریخ میں ایک گراں قدر باب کا اضافہ کرنے کے لیے اپنے حوصلوں کا فیصلہ کن امتحان دینے پر تیار ہو جائے۔

یاد رکھیے! حیاتِ ملی کی ایسی شاندار گھڑیاں بار بار نہیں آیا کرتیں۔ صفحاتِ ارض پر اسلام کی زندۂ جاوید یادگاریں بڑی کاوشوں کے بعد تیار ہوتی ہیں، اس لیے اس مغتنم موقع پر آپ کو حمایت دینی اور غیرت اسلامی کا ایسا پر شکوہ مظاہرہ کرنا چاہیے کہ بداندیش دنیا کو ہماری اجتماعی زندگی کا یقین آجائے اور وہ ہمیں منفرد سمجھ کر اپنی تخریبی سازشوں کی عادت سے باز آجائے۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

یہاں پہنچ کر چند لمحے کے لیے آپ کی نظر کی مخصوص التفات چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ بخل نہیں کریں گے، ذرا آنکھیں بند کر لیجیے اور اپنے سنِ شعور سے لے کر آج تک کی درمیانی زندگی پر ایک اڑتی ہوئی نظر ڈال جائیے، اس مدت میں بذریعہ منی آرڈر آپ کو کہیں روپیہ بھیجنے کا اتفاق تو ضرور پیش آیا ہوگا، کیا مہربانی فرما کر بتا سکتے ہیں کہ ڈاک خانہ میں روپیہ داخل کرتے وقت آپ کی طبیعت پر کچھ بار محسوس ہو رہا تھا؟ آپ کہیں گے بالکل نہیں، کیوں کہ آپ کا خیال تھا کہ یہ روپئے رائگاں نہیں جا سکتے، مرسل الیہ تک پہنچ کر ہمارا مقصد پورا کر دیں گے، ٹھیک ہے!

(۲)- آپ اگر خوش حال ہیں اور خدا کرے کہ خوشحال ہوں تو ظنِ غالب ہے کہ سیونگ بینک یا کسی دوسرے مستند بینکوں میں آپ کا عزیز سرمایہ تو ضرور ہی جمع ہوگا۔ بارِ خاطر نہ ہو تو ذرا یاد فرما کر بتائیے کہ جس وقت اپنی رقم آپ خازن کے سپرد کر رہے تھے، اس وقت آپ پر کیا گزر رہی تھی، کیا آپ کو خیال ہوا تھا کہ مدتوں کا یہ محفوظ سرمایہ اب میرے ہاتھوں سے نکل کر دوسروں کے قبضہ میں جا رہا ہے، یاد کیجیے شاید اس وجہ سے آپ کے دل میں کوئی ناخوشگوار اثر پیدا ہوا ہو، آپ کہیں گے ہرگز نہیں، ناخوشگواری کیسی؟ یہ تو خود میری طبیعت کا ایک تمنازاد فیصلہ تھا، اور پھر اپنی دانست میں میں نے اس رقم کو رائگاں نہیں کیا، بلکہ ایک محفوظ جگہ ودیعت رکھ دی، جو گاڑھے وقت پر میرے کام آئے گی، ٹھیک ہے!

(۳) اچھا بتائیے! جس وقت آپ اپنے گھر سے بیج نکال کر کھیت میں چھڑک رہے تھے، اس وقت اگر آپ کا کوئی ہاتھ پکڑ لیتا اور کہتا کہ ایک زمانہ تک تم نے اسے حفاظت سے رکھا تھا آج تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اس بری طرح پھینکے ڈال رہے ہو۔ آخر اسے گھر میں رکھتے ہوئے تم پر کون سا بار تھا، زحمت نہ ہو تو فرمائیے۔ آپ اپنے اس بیباک ہمدرد کو کس جواب سے مطمئن کرتے، شاید اپنا رخ بدل کر آپ یہی کہتے کہ تم رنگ و صورت کے دیکھنے والے حقیقت و معنیٰ کا بھید کیا جانو! تم اسے پھینکنا سمجھ رہے ہو اور میں اپنے اعتقاد میں ایک بیج کے بدلے ستر کا حق حاصل کر رہا ہوں۔ نادان! اگر یہ ذخیرہ گھر کی کوٹھری میں مقفل رہنے دوں تو فصل کاٹنے کے دن کفِ افسوس کون ملے گا، تم یا ہم؟؟

آپ اپنے دل میں سوچتے ہوں گے کہ میں آپ سے جو کچھ پوچھ رہا ہوں آخران باتوں سے مقصد کیا ہے؟ دراصل مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ ہم لوگ بہت بے انصاف واقع ہوئے ہیں، دوسروں کے حق میں نہیں خود اپنے حق میں۔

ہماری زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک تو یہی جسے ہم گزار رہے ہیں، اور دوسری زندگی وہ جو ایک لمبی نیند کے وقفہ کے بعد آئے گی، بالکل ایسے ہی جیسے ہم ہر رات کو چند گھنٹوں کے لیے اس اعتقاد کے ساتھ اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں کہ کل صبح اٹھنے کے بعد پھر زندگی سے دو چار ہوں گے، فرق اتنا ہے کہ یہ رات بھر کی نیند تھی، اور وہ اس سے لمبی ——— اسی مفہوم کو مخبرِ صادق ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

"وَاللهِ لَتَمُوْتُنَّ كَمَا تَنَامُوْنَ وَلَتُبْعَثُنَّ كَمَا تَسْتَيْقِظُوْنَ وَلَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُوْنَ."

بخدا تم کو ضرور ایک دن مر جانا ہے، بالکل اسی طرح جیسا کہ روز سوتے ہو، اور پھر بلا شبہہ زندہ ہونا ہے جیسا کہ روز خواب سے بیدار ہوتے ہو، اور تمھارے اعمال کا ضرور محاسبہ ہوگا۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ہمیں ایک دعا سکھائی ہے کہ ہم جب سو کر اٹھیں تو یہ دعا پڑھ لیا کریں:

"سُبحانَ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ."

پاک ہے وہ ذات جس نے ہمیں زندہ کیا ہم پر موت طاری کرنے کے بعد اور اسی کی طرف بازگشت ہے۔

بہر حال دوسری زندگی کا یقین کچھ ہمارے لیے اجنبی نہیں ہے، جو محتاجِ نظر ہو، البتہ دوسری زندگی کے ساتھ ہماری غیر منصفانہ روش یقیناً محتاجِ نظر ہے، جس بشاشتِ طبع کے ساتھ ہم اپنی موجودہ زندگی کو خوش عیش بنانے کی کوشش کرتے ہیں، آنے والی زندگی کے ساتھ ہمارا سلوک بالکل اس کے برعکس ہے، حالاں کہ آسمان و زمین کے مالک کی طرف سے بار بار منادی ہوتی ہے کہ تمھاری زندگی کا سلسلہ یہیں نہیں ختم ہوجائے گا۔

یقین رکھا! آج نہیں تو کل تمھیں ایک ایسی دنیا میں قدم رکھنا ہی ہوگا جہاں ہمیشہ رہنا ہے ——— پس اگر تم دانش مند ہو تو خزانۂ الٰہی میں اپنا سرمایہ محفوظ رکھ دو، تاکہ آنے والی زندگی میں تمھارے کام آسکے۔

اطمینان رکھو، جو کچھ بھی تم یہاں جمع کرو گے، رتّی رتّی ہم تمھیں واپس کر دیں گے، بلکہ ایک کے بدلے ستّر، اس سے بھی زیادہ سات سو، سنیے اپنے رب کے ارشاد کو:

(۱) مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللهِ بَاقٍ.

جو تمھارے پاس ہے فنا ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس کے ہمیشہ رہنے والا ہے۔

(۲)- وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ.

اور اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے تمھیں پورا دیا جائے گا۔

(۳)- وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللهَ ؕ اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

اور اپنے لیے جو بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے پاس بہتر اور بڑے ثواب کی شکل میں پاؤ گے اور اللہ سے بخشش مانگو، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۴)- مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ

بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے جو کوئی اللہ کو قرضِ حسن دے تو اللہ اس کے لیے بہت گونا بڑھا دے۔

(۵)- وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ؕ

اور ہمارے دیے میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرو۔ قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آئے۔

(۶)- اِنَّ اللهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ.

بیشک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں، اس بدلہ پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔

دیکھ رہے ہیں آپ! مالکِ کائنات کے وعدے! جو کچھ تم خرچ کرو گے وہ ہمارے یہاں محفوظ رہے گا اور ایک ایسے سخت دن جب کہ تمھاری آسائش خطرے میں پڑ جائے گی، ہم تمھارا سرمایہ تمھیں واپس کر دیں گے۔

اپنی دنیا میں اسے یوں سمجھ لو، جیسے تم اپنی رقم کسی خزانے میں اس یقین کے ساتھ جمع کرتے ہو کہ وہ تمھیں واپس مل جائے گی، شرط انصاف! اگر ہمیں وعدۂ الٰہی کا یقین ہے اور ضرور یقین ہونا چاہیے کہ اس سے بڑھ کر کوئی یقین کی بات نہیں ہو سکتی، تو خدارا بتائیے کہ ہماری میزانِ علم و عمل میں اس قدر تفاوت کیوں ہے؟ آخر دنیا کے یہ تجربے کس دن کام آئیں گے، اگر ہم اپنے دین میں محروم ہی رہے۔ یا دانستہ طور پر ہم اپنی راحتوں کے اہتمام سے جی چراتے ہیں، آنے والی زندگی میں جن شدائد کا خطرہ در پیش ہے، کیا ہمارے گمان میں وہ کسی اور کے لیے ہے، یا جو آسائشیں ہمیں دی جائیں گی، ان سے کوئی دوسرا لذت کش ہوگا۔ ان دونوں حالتوں کا سامنا تو ہمیں خود کرنا ہے، پھر کیوں ہم اپنے تئیں اس قدر بے انصاف واقع ہوئے ہیں۔ حیاتِ فانی کی عشرتیں جمع کرنے میں ہم کس قدر دانش مند نظر آتے ہیں، لیکن اخروی زندگی کا چین حاصل کرنے کے لیے ہماری عقلوں پر پتھر پڑ جاتے ہیں، یہ ہے ہماری متاعِ نظر!

یہاں ہم لاکھوں کی رقم محفوظ رکھنے کے لیے دوسروں کے ہاتھ میں منتقل کر دیتے ہیں اور ہمیں یہ وہم بھی نہیں ہوتا کہ یہ سرمایہ ہمارے قبضہ سے نکل گیا،

لیکن کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ دائمی زندگی کی آسائشوں کی خاطر خزانۂ الٰہی میں کچھ جمع کرتے وقت ہماری جانوں پر بننے لگتی ہے۔

ہم اناج کا ذخیرہ کھیتوں میں پھینک آتے ہیں اور مطلق اس کا خیال نہیں گزرتا کہ ہمارے انبار میں کچھ کمی آگئی، لیکن اللہ کے نام ہر دیتے ہوئے ہمیں فقرو تنگ دستی کا غم ستانے لگتا ہے، قرآن کہتا ہے: یہ تمھارے نفس کے شیطان کا فریب ہے اس سے بچو! ”اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا.“ حالاں کہ خدا کی طرف سے بار بار منادی ہوتی ہے کہ اے زمین کی زراعت پر جینے والو! ذرا اپنی کشت زارِ عمل کا بھی خیال رکھنا، آنے والی زندگی میں آسودہ حال رہنا چاہتے ہو تو اس میں بھی کچھ دانے ڈال دو، ہم تم سے ایک کے بدلے سات سو دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَۃٍ مِّاَءۃُ حَبَّۃٍ.

ان کی کہاوت جو اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں، اس دانے کی طرح ہے جس نے اگائیں سات بالیں، ہر بال میں سو دانے۔

اچھا بتائیے آپ دانے ڈالنے کے بعد فصل کاٹنے کی امید کیوں رکھتے ہیں، سڑ جانے کا یقین کیوں نہیں رکھتے، آخر کس طاقت کے بل پر آپ اسے عقیدہ بنا لیتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد ان دانوں سے آپ ایک خرمن جمع کر لیں گے ؟

اس کے جواب میں آپ یہی کہیں گے کہ فطرتِ الٰہی کے مستمر فیضان نے ہماری وجدان میں اس اعتقاد کی بنا رکھ دی ہے، ہم صرف دانے ڈالتے ہیں، گیہوں کی بالیاں خدا کی قدرت سے پیدا ہوتی ہیں۔ قرآن نے کس بلیغ انداز میں ہماری نگاہوں سے غفلت کے پردے اٹھائے ہیں۔

اَفَرَأَیْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ ط أَءِنْتُمْ تَزْرَعُوْنَہٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ○لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنٰہُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَکَّھُوْنَ○

اچھا بتاؤ! تم جو بوتے ہو کیا تم اس کی کھیتی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں؟ ہم چاہیں تو اسے چورا کر دیں پھر تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔

پھر اگر ہمارے اعتقاد میں ایسا ہی ہے کہ یہ سب کچھ ایک کارساز خداوند کی کارفرمائیوں کا نتیجہ ہے تو پھر سوچیے یہ کس قدر مضحکہ انگیز بات ہے کہ اس یقین کی باوجود بھی راہ حق میں خرچ کرتے ہوئے ہم اس اندیشہ کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ہماری دولت میَں کمی ہو جائے گی افسوس ہماری عقل غلط اندیش پر!

جو ایک دانوں کو ستر دانوں کی شکل میں واپس کرتا ہے، کیا وہ ایک دینار کے بدلے سات سو کا خزانہ نہیں بخش سکتا؟ حالاں کہ بار بار وعدۂ الٰہی کی ترغیبات اور مخبرِ صادق علیہ الصلاۃ والسلام کی بشارتیں ہم تک پہنچائی جاتی ہیں، لیکن اس کے باوجود بھی اپنی آخرت کے لیے ہمارے اندر وہ نشاط نہیں پیدا ہوتا جسے ہم اس عارضی زندگی میں اپنی ذات پر خرچ کرتے ہوئے پاتے ہیں، ذرا غور کیجیے یہ نفس کا کتنا بڑا دھوکہ ہے کہ حیاتِ اخروی کی منفعتوں کے حق میں ہم اپنے آپ کو بالکل غیر سمجھنے لگتے ہیں، خدا ہمیں انصاف نظر کی توفیق مرحمت کرے۔

اخیر میں اپنے پیارے نبی ﷺ کا ایک ارشاد سنیے:

”مَنْ بَنیٰ لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ.“ (مسلم)

جو دنیا میں عبادتِ الٰہی کے لیے کوئی مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے جنت میں اسے ایک شاندار محل عطا کرے گا۔

ان آیات و احادیث کی روشنی میں فیصلہ کیجیے گا کہ مبارک پور کی جامع مسجد کی تعمیر سے متعلق میں نے آپ سے امداد کی جو اپیل کی ہے اس کے جواب میں آپ کو کیا کرنا چاہیے، میں امید کرتا ہوں کہ آپ ان مجبور مسلمانوں کی طرف ضرور ہاتھ بڑھائیں گے، دوسرے لفظوں میں خود اپنی طرف ـــــ!!!

معلوم ہوا ہے کہ تعمیری اشتراک کے دعوت لے کر باشندگان مبارک پور کی طرف سے ایک مقتدر وفد صدر جماعت عالی جناب شیخ محمد امین انصاری آنریری مجسٹریٹ رئیس اعظم مبارک پور کی قیادت میں پورے ہندوستان کا دورہ کرنے کے لیے نکل چکا ہے، جو اس وقت بمبئی میں سرگرمِ کار ہے، وہاں سے فارغ ہو کر احاطۂ بمبئی کا دورہ کرتے ہوئے دوسرے صوبوں کی طرف اپنا رخ کرے گا۔

اس موقع پر میں حساس مسلمانوں سے مؤدبانہ درخواست کروں گا کہ وہ پوری کشادہ دلی کے ساتھ وفد کا خیر مقدم کریں۔ خصوصًا ایسے دور میں جب کہ دینی شوکتوں کے چراغ بجھ رہے ہیں اور کفر و الحاد کی آنچ تیز ہوتی جا رہی ہے، صاحبِ استطاعت مسلمانوں پر ہر فرض سے زیادہ اہم فرض ہے کہ وہ دینی تعمیر و ترقی اور مذہبی حفاظت و بقا کے لیے غربائے اسلام کے ہاتھ مضبوط کریں۔

اخیر میں یہ ظاہر کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ غیور مسلمانوں کا یہ وفد انتہائی مجبوریوں کا شکار ہو کر گھر سے نکلنے پر آمادہ ہوا ہے۔ ان کا حال ان وفود کے حال سے مختلف ہے جو عام طور پر مسلمانوں میں پھرا کرتے ہیں۔

اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس وفد کا خاطر خواہ احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے اخلاقی حوصلوں کی اعلیٰ ترین مثال پیش کریں۔

وفد سے ملتے وقت یہ ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ ایک انتہائی فیاض اور دین پرور قوم کے نمائندوں سے آپ بات چیت کر رہے ہیں، جن کے دروازوں کی خاک سے چندوں کی قیامت اٹھتی ہے، وقت نے آج انھیں آپ کے پاس بھیج دیا ہے۔

واللہ علیٰ ما نقول وکیل وھو علیٰ کلِ شیئ شھید.

چاہیے خانۂ دل میں کوئی منزل خالی
شاید آجائے کہیں سے کوئی مہمان عزیز

ملک میں تعصب کا بڑھتا ہوا ماحول

محسن رضا ضیائی

ملک کی تعمیر و ترقی اور فلاح و بہبود کا راز تحمل و رواداری اور ایک دوسرے کو ساتھ لے کر چلنے میں مضمر ہے۔ فرقہ پرستی، مذہبی بغض وعناد اور نسلی امتیاز و تفریق سے اوپر اٹھ کر ایک دوسرے سے گلے ملنے میں اس کا تحفظ وبقا ہے۔ اور تعلیم و معیشت کو فروغ دینے اور غربت و مفلسی کو ختم کرنے ہی میں اس کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

ہندوستان کی سرزمین دنیا کی واحد ایسی سرزمین ہے جہاں برسوں سے مختلف کلچر اور زبانیں رکھنے والی قومیں اور نسلیں آباد ہیں۔ یہاں مختلف رنگ و نسل، ذات پات اور کئی ایک مذاہب و ادیان کے لوگ بستے ہیں۔ ان سب کے باوجود ہندوستان کئی سالوں سے اتحاد و یک جہتی اور اخوت و بھائی چارگی کا بے مثال ملک رہا ہے۔ اپنی انہی ہمہ رنگ خوبیوں اور کثرت میں وحدت کے سبب اسے پوری دنیا کا ایک مثالی ملک ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ یہاں آپس میں مل بیٹھ کر ملی، سماجی، معاشی اور ہر طرح کے معاملات کو بحسن وخوبی انجام دیا جاتا رہا ہے۔ یہ ملک پوری دنیا میں امن و محبت، اخوت و بھائی چارگی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا بے مثال گہوارہ کہلاتا ہے۔ یہاں کی گنگا جمنی تہذیب کو لوگ قدر و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کی تعریف کرتے نہیں تھکتے ہیں۔ لیکن کچھ سالوں سے یہاں کے حالات یکسر طور پر بدل گئے، آج سے چند سال پہلے یہ کسی نے بھی نہیں سوچا تھا کہ ملک کے اتنے برے دن آجائیں گے، ملک کی اپنی قدیم تہذیبی اقدار و روایات کو انتہائی بے دردی کے ساتھ کچل دیا جائے گا۔ تعصب و نفرت کا ماحول پروان چڑھے گا۔ مسلمان ہونے کی وجہ سے دہشت گرد، انتہا پسند یا پھر ملک دشمن قرار دے کر کو سزائے موت اور پھانسی دے دی جائے گی۔ پتہ نہیں ان چند سالوں سے ہمارے وطنِ عزیز کو کس بدنگاہ کی نظر لگ گئی کہ ملک اور سماج میں تعصب و تنگ نظری کی آگ اس قدر بھڑک اٹھی کہ اس کی زد میں اب تک کتنے ہی طبقات اور قبیلے آکر جھلس چکے ہیں۔ خاص طور پر شمالی ہند کی ریاستوں اور کم آبادی والے علاقوں میں مسلمان عدمِ تحفظ اور تعصب کے شکار ہیں۔ قتل وفساد اور ظلم زیادتی کا غلبہ ہے۔ نفرت و تعصب اور ظلم و تشدد کا سلسلہ دادری کے اخلاق کی دردناک موت سے جو شروع ہوا تو وہ اب تک ختم ہونے کا نام نہیں لیا، اب تک کئی مسلمان قتل وفساد، نفرت و تعصب اور فرقہ وارانہ فساد کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ گویا وطنِ عزیز ہندوستان میں ان دنوں تعصب وعدِم رواداری کے واقعات میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ وہ تعصب خواہ قوم و نسل کی بنیاد پر ہو یا وطنیت و قومیت، یا پھر تہذیب و تمدن ہی کی بنیاد پر کیوں نہ ہو وہ ملک اور اس کے باشندوں کے حق میں ہلاکت و نقصان کا باعث ہے۔ یہ انسانیت کے لیے نہایت ہی مضر اور خطرناک ہے۔ دنیا کا کوئی بھی مذہب اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا ہے اور نہ ہی کوئی تہذیب اسے پسند کرتی ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ یہ سب ملکی آئین و دستور کے صریح خلاف ورزی ہو رہی ہے، کھلے عالم جمہوریت اور اس کے قوانین کا مزاق اڑایا جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ ۱۹۴۷ سے ۱۹۴۹ء کے دوران جب ملکی آئین وجود میں آیا تو آئین کے حصہ سوم میں بنیادی حقوق (Fandamental Rights) کو دفعہ ۱۲ سے لے کر ۳۵ تک ذکر کیا گیا ہے۔ اسی میں خاص طور پر دفعہ ۱۵ میں حقِ مساوات (Right to Equality) کے تحت "مذہب، نسل، ذات پات، جنس، جائے پیدائش یا ان میں سے کسی ایک کی بنیاد پر امتیازی سلوک برتنے پر پابندی کی بات کہی گئی ہے"۔ اسی طرح آئین کے دفعہ ۲۵ رمیں حقِ آزادی مذہب (Right to freedom of religion) کی بات اس طرَح کہی گئی ہے کہ: "ملک کے ہر شہری کو آزادی مذہب اور اس کی عبادت کا مکمل طور پر حق حاصل ہے".

آئینِ ہَند میں تو مذہب و دھرم، ذات پات، نسل و جنس اور قومیت و وطنیت کی بنیاد پر امتیاز و تفریق Discrimination برتنے پر پابندی

mohsinrazaziyai@gmail.com/9921934812

عائد کی گئی ہے۔اس کے علاوہ مکمل طور پر مذہبی آزادی اور اس پر عمل کرنے کا بھی حق دیا گیا ہے۔

لیکن اس کے باوجود ملک میں حکومتی اور سماجی سطح پر ہر معاملے میں امتیاز برتا جا رہا ہے۔دوسروں کے مذہب میں بے جا مداخلت کی جا رہی ہے۔کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ جو لوگ قانون وآئین کے محافظ کہلاتے ہیں، وہی مذہب ودھرم، قوم ونسل اور ذات پات کے نام پر اس کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں، آئین ساز اسمبلی کے تو یہ ذہن ودماغ میں بھی نہ آیا ہوگا کہ ہمارا تشکیل دیا ہوا قانون تاش کے پتوں کی طرح بکھر کر رہ جائے گا۔موجودہ حکومت اس طرح کے دل سوز اور الم ناک واقعات پر قابو پانے میں اب تک ناکام ثابت ہوئی ہے۔سچ تو یہ ہے کہ خود حکومت بھی اقلیتی عوام کے ساتھ امتیاز وتفریق کا معاملہ برت رہی ہے، ان کے بنیادی حقوق سلب کر رہی ہے۔ان کے مذہب وعقیدے پر سوالیہ نشان لگا رہی ہے۔نت نئے پروپیگنڈے بنا کر انہیں تعصب کی زنجیروں میں جکڑ رہی ہے۔اس کے کئی ایک شواہد موجود ہیں، یہاں ہم حکومت کی چند جانب دارانہ و متعصبانہ کارروائیوں اور ملک میں عدمِ تحفظ وغیر مساوات کے واقعات کو پیش کر رہے ہیں، جن سے اندازہ لگانا آسان ہو جائے گا کہ ملک میں مسلمانوں کے لیے کس قدر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔

ملک کی موجودہ سنگین صورتِ حال اور عدمِ تحفظ جیسے واقعات سے متاثر ہو کر سابق نائبِ صدر جمہوریہ عزت مآب ڈاکٹر حامد انصاری صاحب کو اپنی الوداعی تقریب میں یہ کہنا پڑا تھا کہ: ملک کے مسلمانوں میں بے چینی اور عدمِ تحفظ کا احساس جاگزیں ہے، انہوں نے عدمِ برداشت کا مسئلہ وزیرِ اعظم اور ان کی کابینہ کے ساتھیوں کے سامنے بھی اٹھایا اور اپنے خدشات سے وزیرِ اعظم کو باخبر بھی کرایا۔

نائبِ صدر جمہوریہ ڈاکٹر حامد انصاری کے اس اظہارِ تشویش پر حکومت کو تو چاہیے تھا کہ تحفظ ورواداری کا یقین دلاتی، لیکن چاروں طرف سے حامد انصاری پر بے جا تنقیدیں اور متعصّبانہ تبصرے ہونے لگے، میڈیا جس کا کام غیر جانب دارانہ طور پر خبروں کو نشر کرنا ہے، وہ بھی دس سال تک ملک وقوم کی خدمت کرنے والے حامد انصاری پر تیر ونشتر برسانے لگی۔اس ملک کے حالات اس سے زیادہ اور کیا خراب ہو سکتے ہیں کہ جہاں کے نائبِ صدر جمہوریہ کو اقلیتوں کے عدمِ تحفظ اور عدمِ رواداری کو لے کر اظہارِ تشویش کرنا پڑے۔اور پھر ان کے اس اظہارِ تشویش پر ردِ عمل کا مظاہرہ کیا جائے۔ان حالات کو دیکھ کر ایسا لگنے لگا ہے کہ آنے والے کچھ سالوں میں یہاں کے حالات ملک کے حق میں قدرے بہتر نہیں ہوں گے۔

ملک میں تعصب وعدمِ رواداری کے واقعات کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ۲۰۱۵ء میں بڑھتے ہوئے نسلی امتیازات اور عدمِ رواداری جیسے واقعات کے خلاف پر زور مظاہرہ کرتے ہوئے ملک کے ۴۶/ نامور ادیبوں، شاعروں، فلم سازوں، آرٹسٹوں اور سائنسدانوں نے حکومتی ایوارڈ واپس کر دیا تھا، جن میں نند بھردواج، چندر شیکر، کاشی ناتھ امبگی، ویرا بھدریا کے نیلا اور منور رانا کے اسما قابلِ ذکر ہیں۔حکومت کے لیے یہ کتنی شرم ناک بات ہے کہ ملک میں امن وامان بحال کرنے اور تعصب وعدمِ مساوات کی روک تھام کے لیے اہم شخصیات کو حکومتی ایوارڈ واپس کر کے پُر زور مہم چلانی پڑی۔

تین طلاق کا مسئلہ جو کہ شرعی واسلامی ہے، وہ بھی تعصب ونفرت کی نذر ہو گیا۔حکومت نے مسلم پرسنل لا میں بے جا مداخلت کر کے شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ایک مہم چھیڑ رکھی تھی۔۲۲/ اگست کو سپریم کورٹ نے تین طلاق کو غیر آئینی قرار دیا اور چھ ماہ کے لیے اس پر پابندی عائد کر کے حکومت کو قانون بنانے کی پیش کش کی۔کتنا بڑا المیہ ہے کہ ملک میں اقلیتوں کی ہر چیز ارزاں ہو گئی ہے، ان کے شرعی واسلامی مسائل و معاملات کا تصفیہ وحل سپریم کورٹ کر رہی ہے، اور ان کے خانگی، عائلی اور شرعی مسائل پر حکومت کو قانون سازی کا حق دیا جا رہا ہے۔

حال ہی میں صوبۂ اتر پردیش میں پندرہ اگست کے دن مدارس میں پرچم کشائی کرنے، ”جن گن من“ کا ترانا گانے اور اس کی وڈیو گرافی کر کے ڈی ایم آفس پہنچانے کا سخت تاکیدی حکم نافذ کیا گیا تھا۔گویا کہ حکومت کو مسلمانوں کی حب الوطنی پر شک ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت بھی مسلمانوں اور مدارس کے ساتھ متعصّبانہ ومتنفرانہ رویہ اختیار کر رہی ہے۔اسی طرح وندے ماترم گانے پر مسلمانوں کو مجبور کیا جا رہا ہے، مدرسوں اور اسکولوں میں اسے نافذ کرنے کی گھنونی سازشیں رچی جا رہی ہیں۔اس طرح کے سینکڑوں واقعات ہیں، جنہیں بین الاقوامی میڈیا بھی رپورٹ کر رہا ہے، جس

سے عالمی سطح پر ملک کی شبیہ داغدار ہو رہی ہے۔

۱۵/اگست کو یومِ آزادی کے موقع پر وزیر اعظم نے لال قلعے کی فصیل سے اپنی ۵۵/منٹ کی تقریر میں کہا کہ: "عقیدت کے نام پر تشدد برداشت نہیں کیا جائے گا"۔ اور مزید کہا کہ: "ملک عقیدت کے نام پر تشدد قبول نہیں کر سکتا، ذات پات اور فرقہ پرستی کا زہر ملک کا کبھی بھلا نہیں کر سکتا"۔ وزیر اعظم کے یہ الفاظ سننے اور پڑھنے میں تو بہت اچھے اور اچھوتے لگ رہے ہیں۔ لیکن حقیقت وواقعیت کی رو سے دیکھا جائے تو یہ عملاً کچھ بھی نہیں ہیں۔ وزیر اعظم کو مظلوموں کے انصاف اور ظالموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کی بات کرنی چاہیے تھی۔ ملک سے عدم تحفظ، عدم مساوات اور تعصب ونفرت کے گھٹاٹوپ اندھیرے کو دور کرنے کی بات کرنی چاہیے تھی۔ لیکن ہندوستان کے معتدل مزاج اور سنجیدہ پسند لوگوں پر ان تمام حساس مسائل پر پردہ ڈالنے سے یہ بات اچھی طرح ظاہر وعیاں ہوگئی کہ وزیر اعظم کی یہ تقریر آئندہ الیکشن کی ایک مشق تھی۔

ثانیاً اسی ہی ہمارے ملک کی بے لگام اور بدنام زمانہ میڈیا ہے، جسے جمہوریت کا چوتھا ستون قرار دیا گیا ہے۔ جس کی ذمہ داری بلا تفریق مذہب وملت ملک کی عوام کی آواز بن کر ان کے مسائل کو اٹھانا، حقائق کو پیش کرنا اور خبروں کو نشر کرنا ہے۔ لیکن اقلیتوں کے حقوق کی بات ہو یا تشدد وعدم رواداری جیسے معاملات ہوں، ملکی میڈیا انہیں نظر انداز کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا ہے۔ میڈیا اینکرز کے سروں پر جوں تک نہیں رینگتی ہے۔

ہاں! اگر اسلام یا مسلمانوں کے اندرون مسائل کی بات ہو تو میڈیا اس میں بہت زیادہ دل چسپی دکھاتا ہے، یہاں تک کہ آسمان سر پر اٹھالیتا ہے۔ ڈبیٹ پر ڈبیٹ کرائے جاتے ہیں اور کھلے عام اسلام اور اس کے اصول وقوانین کا مزاق اڑایا جاتا ہے۔ یقیناً ملک میں ایسے تشویش ناک حالات کے لیے حکومت کے ساتھ ساتھ میڈیا بھی برابر کا ذمہ دار ہے، جو حقائق سے چشم پوشی کر کے افواہوں کو دیکھاتا اور بتاتا ہے۔ ان تمام واقعات وحالات سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ ملک کس قدر سنگین صورتِ حال سے گزر رہا ہے، جہاں مسلمانوں اور ان کے مذہب پر حملے کیے جا رہے ہیں۔ ایسے وقت میں بس اللہ ہی حامی وناصر ہے!

ایک ہنگامۂ محشر ہو تو اس کو بھولوں

سینکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

ملک میں اس طرح کی بڑھتی عدمِ رواداری اور عدمِ تحمل کے خلاف سنجیدہ حلقوں سے پُرزور آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ لیکن کیا اب بھی وقت نہیں آیا ہے کہ حکومت اور عوام دونوں باہم مل کر ملک سے نفرت وتعصب اور تشدد وفرقہ واریت کو ختم کریں اور یہاں پھر سے امن وآشتی کی فضا بحال کریں۔ یاد رکھیں کہ ملک کی تعمیر وترقی اور فلاح وبہبود کا راز تحمل ورواداری اور ایک دوسرے کو ساتھ لے کر چلنے میں مضمر ہے۔ فرقہ پرستی، مذہبی بغض وعناد اور نسلی امتیاز وتفریق سے اوپر اٹھ کر ایک دوسرے سے گلے ملنے میں اس کا تحفظ وبقا ہے۔ اور تعلیم ومعیشت کو فروغ دینے اور غربت ومفلسی کو ختم کرنے ہی میں اس کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ یہ ملک اس وقت تک شاہ راہ ترقی پر گامزن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ انتہا پسند عناصر، شدت پسند نظریات اور نسلی امتیازات کو مکمل طور پر ختم نہ کر دیا جائے۔

اخیر میں صرف اتنا عرض ہے کہ جس قوم نے اس ملک میں ہمیشہ امن وآشتی کو فروغ دیا، گنگا جمنی تہذیب کو بے انتہا پروان چڑھایا، یہاں تک کہ پوری دنیا میں اسے معزز اور قابلِ فخر مقام دلانے میں ایک اہم اور بنیادی کردار ادا کیا، آج انہی کی وطن پرستی پر سوالیہ نشان داغہ جا رہا ہے، ان کے لیے "ملک دشمن" اور "غدار وطن" جیسے جملوں کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ حالاں کہ مسلمان ہی ہیں جو اصل میں اس ملک کے وفادار ہیں، تحریکِ آزادی سے لے کر ملک کی آزادی تک مسلمانوں نے اپنے تن من دھن کی بازی لگا کر اس کو آزاد کرایا ہے، اس کی آزادی کی خاطر جتنا خون ولہو مسلمانوں کا بہا ہے، اتنا کسی کا نہیں بہا ہے۔ وہ ہمیشہ ملک میں سبھی کے ساتھ رواداری اور بھائی چارگی کے ساتھ پیش آئے ہیں۔

لہٰذا ایسے انسانیت سوز اور تعصب زدہ حالات میں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد ویگانگت اور اخوت وبھائی چارگی کا ماحول بنا کر رکھیں، اسلامی اصول واحکام پر کاربند رہیں، اسوۂ نبوی ﷺ اور اسلاف واکابر کے طریقۂ کار کو اپنائیں اور دنیا کو اپنے پُرامن اور اعتدال پسند قوم ہونے کا پیغام دیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی جان، مال، عزت وآبرو اور ایمان وعقیدے کی حفاظت وصیانت فرمائے۔

☆☆☆☆

عالمی تناظر

اقوامِ عالم میں عورت کی حیثیت

اور اسلام میں اس کا مرتبہ

ڈاکٹر غلام محی الدین سالک

اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں میں عورت ایک عظیم نعمت ہے چوں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کے علاوہ، وہ ساری دنیا کی ماں ہے اس لیے وہ پوری دنیا کے لیے بہر حال لائق تعظیم اور قابل احترام ہستی ہے۔ عورت اس خوب صورت دنیا کی ایک حسین آنکھ ہے اگر وہ نہ ہوتی تو دنیا کانی اور بد صورت نظر آتی۔ عورت گہوارۂ محبت والفت کی وہ راحت رساں سکون ہے جہاں انسان رنج وغم سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ دنیا کی رنگ وبو کی خوبصورت امتزاج ہے۔ اگر وہ نہ ہوتی تو انسان کی زندگی جنگلی جانوروں سے بھی زیادہ بدتر ہوتی۔ مصطفیٰ جان رحمت، سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو دین لے کر دنیا میں تشریف لائے اس سے پوری دنیا کی ستائی اور کچلی ہوئی عورتوں کی قسمت کا ستارہ جگمگانے لگا۔ اور ان کا درجہ اس قدر بلند وبالا ہو گیا کہ جس کا تصور بھی اقوام عالم کے کسی مذہب میں نہیں ملتا۔ دنیا کے مختلف ممالک میں عورت کا مقام کیا تھا۔ سماج میں عورت کی حیثیت کیا تھی، اس کے متعلق مفکروں اور دانشوروں کی سوچ کیا تھی اور اسلام نے اسے کون سا رتبہ عطا کیا ان سب پر اظہار خیال کرنے سے قبل یہ دیکھیں کہ عالم گیر پیمانے پر اس کی کیا حیثیت تھی۔

تاریخ شاہد ہے کہ عالمی سطح پر ہر عہد میں عورت کی سماجی حیثیت اور اس کا مقام نزاعی مسئلے کی صورت اختیار کرتا رہا ہے۔ معاشرتی زندگی میں عورت بحیثیت ماں، بیوی، بہن، اور بیٹی اپنے فرائض کی انجام دہی اور سماج کے تئیں اس کے مختلف تعمیری کرداروں کو نہ صرف مشکوک نظروں سے دیکھا گیا بلکہ اس کو انتہائی پست مخلوق سمجھا گیا۔ مرد وعورت کے باہمی نظم وضبط اور آپسی مفاہمت کے بغیر معاشرتی زندگی کی بہتری اور اس کی خاطر خواہ ترقی کا تصور کرنا ممکن نہیں۔ کسی بھی عہد کی سماجی زندگی میں عورت کی اہمیت اور اس کا درجہ مساوی تسلیم نہیں کیا گیا۔ مردوں کے خود ساختہ اصول وقوانین کی پابندی کرنا عورت کے لیے عین زندگی قرار دیا گیا۔ بذات خود عورت بھی ان کے حاکمانہ رویوں کی وجہ سے تعمیل حکم کی بجاآوری پر مجبور ہو گئی۔ عورت پورے معاشرتی ڈھانچے کا ایک اٹوٹ ہونے کے باوجود حکمرانی کا شرف صرف مردوں کو حاصل رہا۔ جس سے ان کی سماجی حیثیت بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ دیگر گوں ہوتی چلی گئی۔ دنیا کے مختلف ممالک میں مثلاً یونان، روس، انگلستان، چین، مصر، روم، پروشیا، بابل اور عرب وغیرہ میں عورت کی پستی اور کمتری کی طویل داستان دیکھنے کو ملتی ہے۔ کسی بھی جگہ عورت کو وہ مرتبہ اور مقام نہیں ملا جو مردوں کو شروع سے حاصل رہا تھا۔

تاریخ عالم کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ غیر متمدن سماج میں عورت اپنی محبت، خدمت اور ایثار وقربانی کی بدولت مردوں کے دلوں میں باعزت مقام رکھتی تھی۔ اس کی شناخت ایک آزاد فرد کی حیثیت سے تھی۔ امور خانہ داری سے لے کر کھیت کھلیان کے کاموں تک مردوں کے شانہ بشانہ محنت ومشقت میں برابر کی شریک رہا کرتی تھی لیکن سماج جوں جوں تہذیب اور تمدن کی منزلیں طے کرنے لگا۔ مردوں نے اپنی جسمانی قوتوں اور صلاحیتوں کی وجہ سے عورتوں پر غلبہ حاصل کرنا شروع کیا۔ ریکلوس نے کہا تھا۔

”مرد فطرتاً ایک خوفناک جانور تھا اور عورت اپنے فرض کی وجہ سے ماں تھی لیکن تمدن کی تاریخ کا یہ ایک حیرت انگیز اور افسوسناک راز ہے کہ جب تمدن نے ترقی کی تو متمدن قومیں اس کے ابتدائی حقیقی بانی کو حقیر اور ذلیل سمجھنے لگیں۔ [۱]

اس طرح متمدن قوموں نے عورت کے فطری حقوق اور اس کے بنیادی اختیارات کو نہ صرف پامال کیا بلکہ حصول علم اور ذہنی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے بجائے اسے محرومی وناکامی کے عین مطابق سمجھا۔ پھر دھیرے دھیرے اس کے متعلق تعصب پرست خیالات دنیا کے بیش تر ممالک میں جڑ پکڑتے چلے گئے۔ اس کی بے بسی اور لاچاری، اس کا مقدر ٹھہرا کر قعر مذلت میں دھکیل دی گئی۔ بقول زبیر صدیقی:

”مغربی ممالک میں عورت کی سماجی پستی یونان سے شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ یہ روسب ملکوں میں پھیل گئی۔ یونان میں جب تمدن نے ترقی کی تو یونانی عورتیں بھی اپنی چینی بہنوں کی طرح قعر مذلت میں گرادی گئیں۔“[۲]

یونان جو تہذیب وشائستگی کا ملک سمجھا جاتا تھا وہاں کی معاشرتی زندگی میں بھی عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ نہیں ہوتا تھا۔ یونانی سماج

میں وہ شر کی پوٹلی اور شیطان کی بیٹی تصور کی جاتی تھی۔ دانشوروں اور مفکروں کے خیالات بھی عورتوں کے متعلق اچھے نہیں تھے۔ انڈرومیکی یونان کا ایک فلسفی ہے اس نے عورت کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس کالب لباب یہ ہے کہ سانپ کے ڈسنے اور آگ سے جل جانے کا علاج ہمارے پاس موجود ہے لیکن عورت کے شر کا علاج کہیں بھی ممکن نہیں ہے۔ کچھ اسی قسم کے خیالات سقراط کے بھی تھے وہ عورتوں کو دنیا میں سب سے زیادہ فتنہ و فساد کی چیز بتاتا ہے۔ افلاطون کہتا ہے کہ جتنے ذلیل اور ظالم مرد ہیں وہ سب نتائج کے عالم میں عورت ہوجاتے ہیں۔ مذہبی طور پر یونانی لوگوں کا ماننا تھا کہ عورت شیطان کا آلہ ہے اور امن و سلامتی کی دشمن ہے۔

چین میں عورت کی سماجی حیثیت انتہائی بے بسی کا شکار تھی بلکہ اس پر مردوں کی لعنت و ملامت اور توہین و تحقیر کرنا چینی سماج میں عام سی بات ہوگئی تھی۔ چین کا ایک اعلی طبقہ سے تعلق رکھنے والی معمر خاتون، چینی سماج میں عورت کا مقام اور اس کی حیثیت کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتی ہے کہ:

"ہم عورتوں کا مقام انسانیت کا سب سے گرا ہوا مقام ہے اور اس لیے ہمارے حصے میں سب سے حقیر کام آئے۔"(۳)

یورپ کے دانشوروں میں عرصۂ دراز تک یہ مسئلہ موضوع بحث بنا رہا کہ آیا عورت کو انسان بھی تسلیم کیا جائے یا نہیں۔ رومتہ الکبری جو مسیحی تعلیمات کو فروغ دینے کا نہ صرف عظیم مرکز تھا بلکہ ایک مہذب ترین ملک کی حیثیت سے دنیا میں جانا جاتا تھا وہاں بھی عورتوں کی حالت غلاموں اور لونڈیوں سے بھی بدتر تھی۔ معمولی کوتاہیوں پر وہ جانوروں کی طرح ذبح کردی جاتیں اور من گھڑت الزمات لگا کر انہیں آگ میں ڈال دیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ روم میں عورت کو کسی طرح کا کوئی قانونی حق حاصل نہیں تھا۔ وہ گھر کے اثاثہ کی حیثیت رکھتی تھی اور وارثین میں وراثت کی طرح منتقل ہوتی تھیں اور وہ اشیائے تجارت کی طرح خرید و فروخت کے ساتھ ساتھ تباہ و برباد بھی کی جاسکتی تھی۔ بقول زبیر صدیقی:

"وہ کسی چیز کی مالک نہیں ہوسکتی تھی اور بعض حالات میں تو شوہر اپنی بیوی کو قتل کرسکتا تھا۔"(۴)

آرتھر شوپنہاور جرمنی کا ایک مشہور فلسفی تھا۔ اس نے عورت پر ایک مضمون لکھا تھا۔ جس میں عورت کے متعلق نہایت ہی توہین آمیز کلمات اور شرمناک خیالات کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے۔

"فطرت نے جس طرح شیر کو پنجے اور دانت، ہاتھی کو سونڈ، بیل کو سنگ، اور سپیا کو سیاہی دی ہے، اسی طرح عورت کو اپنی حفاظت کے لیے مکر و فریب سے مسلح کیا ہے، مکر و فریب عورت کی پیدائشی خصلت ہے۔ اس سے اس کی دوسری برائیاں، افترا پردازی، بے وفائی، غداری وغیرہ پیدا ہوتی ہیں، عورت کا رسوخ اور اثر سماج کی بربادی کا باعث ہوتا ہے۔ عورت کی کمزوری کو نظر انداز تو کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کی عزت کرنا مضحکہ خیز ہے۔"(۵)

انگلستان میں پرانے قوانین کی رو سے شوہر کو پورا پورا اختیار تھا کہ "بیوی کو زدو کوب کرے اور اسے کوڑے لگائے" اتنا ہی نہیں مزید ستم یہ کہ انگلینڈ میں ایک خاص طرح کی مجلس بنائی گئی تھی جس میں عورتوں پر ظلم و ستم ڈھالنے کے لیے نئے نئے قوانین تیار کیے گئے تھے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر اسپر نگر کہتے ہیں کہ نئے نئے قانون وضع کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں نے نولاکھ عورتوں کو زندہ جلا دیا۔

روس تو انگلستان سے بھی دو قدم آگے تھا۔ روس کے معاشرتی نظام کے مطابق: "بیوی کو زدو کوب کرنے کے لیے شادی کے وقت دولہا کو خسر کی طرف سے ایک کوڑا بھی دیا جاتا تھا۔"(۶)

یہ رسم زار کی سلطنت کے آخر تک رائج تھی۔

یورپیڈس پانچویں صدی قبل مسیح کا مفکر تھا۔ اس کے خیالات بھی عورت کے متعلق اچھے نہیں تھے۔ وہ کہتا ہے:

"عورت میں بھلائی کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ لیکن ہر طرح کی برائی کرنے میں وہ بڑی چالاک ہے۔"(۷)

اسکاٹ لینڈ میں عورتوں کو محض شک کی بنیاد پر انہیں گرفتار کرلیا جاتا تھا اور اقبال جرم کے لیے سخت تر سزائیں دی جاتی تھیں۔ شدتِ تکلیف سے مجبور ہوکر ناکردہ گناہوں کا انہیں اقبال جرم کرنا پڑتا تھا۔ پھر ان کو جانور کی طرح ذبح کر دیا جاتا۔ اسی ملک کا ایک مفکر جان نوکس سولہویں صدی عیسوی کا ایک مشہور و معروف سماجی مصلح گزرا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ

"عورت ضعیف احمق اور متلون مزاج ہوتی ہے اسے ترقی دینا خدائی قانون اور فطرت کے خلاف ہے۔"(۸)

منوجو سناتن دھرم میں ایک سماجی مصلح کی حیثیت سے ابھرا۔ ہندوستان میں اس کے خودساختہ اصول و ضوابط رائج ہوئے جن کو ہندو سماج میں کلیدی مقام حاصل ہو گیا تھا۔ منو کے اصولوں کے مطابق عورت سماج کے کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتی ہو۔ اسے شودر کے زمرے میں ہی رکھی جائے گی۔ شودر اور عورت کو اولاد عصیاں سے تعبیر کیا گیا اور دونوں کو قتل کے معاملے میں ایک ہی سزا مقرر کی گئی تھی۔ منو

نے بیویوں کی طرز زندگی کے چند اصول کچھ اس قسم کے بنائے تھے جس سے ان کی عزت وحرمت اوران کا وقار مجروح ہوتا تھا۔ منو کے مطابق:

”وفادار بیوی وہ ہے جو اپنے شوہر کی خدمت اس طرح کرے گویا وہ اس کا معبود ہے۔ اس کی شان میں کوئی ایسی بات نہ کہے جو اس کے لیے باعث تکلیف ہو۔ چاہے اس کا شوہر کتنا ہی خبیث اور بدمعاش کیوں نہ ہو عورت شوہر کے ساتھ کھانا نہ کھائے بلکہ اس کا بچا ہوا جھوٹا کھائے۔“(۹)

منو نے لڑکیوں کو جنیؤ پہننے سے بھی محروم کردیا تھا۔ اس کے بعد سے ہی جنیؤ صرف مردوں کے لیے مخصوص ہوگیا۔ اس کے مطابق عورتیں مردوں کو ورغلا کر راہ راست سے دور کردیتی ہیں اس لیے اس نے عورتوں کی گوشہ نشینی اور بیواؤں کو اطاعت وپرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے کی پرزور حمایت کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ مال واسباب سے ان کی دلچسپی، غیر ضروری خواہشات، بدخلقی اور کمینہ پن کی وجہ سے وہ بے شمار برائیوں کا سرچشمہ ہوتی ہیں۔ اس لیے ان کو مذہبی کتابیں پڑھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

چانکیہ بھی اسی زمانے کا ایک اہم مفکر تھا۔ اس نے منو سمرتی کو بہتر بنا کر پیش کرنے کی کوشش تو کی تھی۔ لیکن عورت کی سماجی بہتری یا بھلائی کے لیے کوئی اقدام نہیں کیا۔ بلکہ وہ بھی منو کی طرح گمراہ کن خیالات کی تشہیر اور عورت کی شخصیت کو مجروح کرنے والے کلمات کو فروغ دیتا رہا۔ وہ چانکیہ نیتی میں عورت کے متعلق لکھتا ہے کہ:

”جھوٹ بولنا بغیر سوچے سمجھے کام کرنا، فریب، حماقت، طمع، ناپاکی، بے رحمی یہ عورت کے جبلی عیب ہیں۔“(۱۰)

ایک دوسری جگہ وہ عورت کو ہلاکت کا سبب سمجھتا ہے۔ اس کے مطابق:

”آگ، پانی، جاہل مطلق، سانپ، خاندان شاہی اور عورت موجب ہلاکت ہوتے ہیں۔ ان سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیے۔“(۱۱)

عرب کے دور جاہلیت میں لڑکیوں کی پیدائش ہی ذلت اور باعث عار ہوتی تھی، عربوں میں عورتوں کے متعلق کچھ تعصبات ایسے راسخ ہوگئے تھے جس سے وہ عورتوں سے بددل ہوگئے۔ عربوں کے مطابق:

”عورت فطری طور پر ضعیف الدماغ ہوتی ہے۔ مرد کے اعانت کے بغیر وہ نہ تو ضروریات زندگی مہیا کرسکتی ہے اور نہ اپنی عزت وآبرو کی حفاظت۔“(۱۲)

عرب کے مختلف قبیلوں میں عورتوں کے ساتھ جانوروں کی طرح وحشیانہ سلوک ہوتا تھا۔ اس سماج میں عورت صرف جائیداد کی حیثیت رکھتی تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد جائیداد کی طرح باپ کی بیویوں کے مالک بن جاتے تھے۔ وہ کسی طرح کی میراث میں کسی حصے کی حقدار نہیں ہوسکتی تھی۔ انتہا یہ تھی کہ اپنی ہی سوتیلی ماں سے شادی رچاتے۔ بیوہ عورتوں کو فروخت کردیا جاتا تھا۔ بیوی کو رہن اور جوئے میں داؤ پر لگاتے تھے اور حد تو یہ تھی کہ وہ اپنی بیوی کو ایک متعیّنہ مدت تک کے لیے دوسروں کو کرایہ پر دیدیا کرتے تھے۔

عرب کے بعض ایسے قبیلے بھی تھے جو بے رحمی، سفاکی اور وحشت وبربریت میں اپنی مثال آپ تھے۔ عورتوں پر ظلم وتشدد کی انتہا ایسی ہوتی تھی جس سے روح بھی کانپ جائے۔ آپس کی قبائلی جنگوں میں حاملہ عورتوں کا پیٹ دھار دار تلوار سے چاک کرکے بچہ نکال کر پھینک دیتے تھے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ عورتوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ دیا جاتا تھا پھر گھوڑوں کو اتنا تیز دوڑاتے کہ ان کے بدن کا ایک ایک حصہ ٹوٹ کر بکھر جاتا تھا جس سے اس کی موت واقع ہوجاتی۔ کسی کو لڑکی تولد ہونے کی خبر سنائی جاتی تو اس کا منھ کالا پڑجاتا تھا اور غصہ کے مارے گھونٹ پی کر رہ جاتا یا کسی شخص کے یہاں لڑکی تولد ہوتی تو اسے انتہائی رنج وغم ہوتا اور ندامت کے مارے لوگوں سے منھ چھپاتا پھرتا۔ ابوحمزہ نامی ایک شخص رئیس گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے یہاں بچی پیدا ہوئی تو اس نے گھر میں رہنا چھوڑدیا۔ اس کی بیوی شوہر کے اس رویے پر اشعار پڑھ کر اپنی بیٹی کو لوریاں دیتی تھی کہ ابوحمزہ کو کیا ہوگیا ہے۔ ہمارے پاس نہیں آتا... ہمسائے کے گھر میں رات بسر کرتا ہے۔ وہ اس بات پر ناراض ہے کہ ہم بیٹے نہیں جنتے، خدا کی قسم یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں ہے۔ اس کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح ہوا ہے۔

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ (۳)

”اور جب ان میں کسی کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو دن بھر اس کا منھ کالا رہتا ہے اور وہ غصہ کھاتا ہے لوگوں سے، چھپتا پھرتا ہے اس بشارت کی برائی کے سبب، کیا اسے ذلت کے ساتھ رکھے گا یا اسے مٹی میں دبادے گا، ارے بہت ہی برا حکم لگاتے ہیں“۔

اس طرح عرب کے قبائلی لوگ فخر کے ساتھ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کردیا کرتے تھے۔ ننھی ننھی بچیوں کو اون کا دبیز کپڑا پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں ریت پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ان پر ظلم وستم کی کوئی انتہا نہ تھی۔

عالمی سطح پر عورت کو ہر اعتبار سے ظلم وتشدد اور بربریت کا نشانہ بنایا گیا۔ اس کے متعلق یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ وہ معاشرہ پر

ایک بوجھ کے سوا کچھ نہیں، وہ صرف نفسانی خواہش پورا کرنے کے لیے ہے اور بس۔ عورت ایک غلام سے بھی زیادہ کمتر سمجھی جاتی رہی تھی۔ جس کا وجود اس دھرتی پر باعث ننگ و عار اور تذلیل کے سوا کچھ نہیں تھا۔ کم و بیش یہی صورت حال ہندوستان کی تاریخ میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہاں بھی عورت کو زبوں حالی اور اس کی ابتری کا مایوس کن نقشہ سامنے آتا ہے۔ عورت اگر بیوہ ہو جاتی تو اسے نہ صرف منحوس قرار دیدیا جاتا بلکہ اس کو اپنے متوفی شوہر کی چتا پر بیٹھ کر نذر آتش ہو جانے کا عملی مظاہرہ بھی کرنا پڑتا تھا اور اسے یہ باور کرایا جاتا کہ اس کی فلاح اور نجات ستی ہو جانے ہی میں پوشیدہ ہے۔ سماجی حیثیت سے لے کر عورت کی انفرادی شخصیت تک مردوں کے ظلم و ستم اور ان کی بربریت کے زیر سائے میں وہ نہ صرف صدیوں سے پستی رہی بلکہ اس کا وقار اور اس کی عظمت مجروح ہوتی رہی۔ عورت کو سماج، معاشی اور تعلیمی زندگی میں وہ مقام حاصل نہ ہو سکا جو ایک مرد کو حاصل تھا۔

مختصر یہ کہ دنیا کے تقریباً سبھی ممالک میں عورت کے حقوق کی پامالی کھلے عام ہو رہی تھی۔ نسل انسانی کی بقا جس کے وجود سے قائم تھی اسے مفلوج کر دیا گیا تھا لیکن اس مفلوج زدہ اور محروم رسیدہ عورت کی دست گیری اور داد رسی کرنے والا نہیں تھا۔ ان حالات میں ہادی کونین، سرور کائنات جناب محمد الرسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین متین نے روئے گیتی کے انسانوں کی تقدیروں کو بدلنا شروع کر دیا۔ جو لوگ عورتوں کی عزت و حرمت اور ان کے حقوق کی پامالی کے درپے تھے وہی لوگ ان کی عفت و عصمت کے نگہبان اور حافظ بن گئے۔ دین اسلام ہی نے حکیمانہ تعلیمات کے ذریعے مردوں اور عورتوں کو ظلم و ستم کرنے سے روکا اور خاص طور سے اسلام نے عورتوں کے حقوق کو ہر اعتبار سے بحال اور متعیّن کیا۔ ان کو ذلت و رسوائی کے عمیق غار سے نکال کر عزت و حرمت اور تقدس و تحفظ کی وہ بلندی اور اعلیٰ رتبہ عطا کیا جس کی نظیر یا کوئی بھی مثال دوسرے مذاہب یا ادیان میں نہیں ملتی۔ مرد اور عورت باہم ایک دوسرے کے شریک کار ہیں غم میں، خوشی میں، اعمال میں، فضائل میں، عبادت میں اور تقوی و پرہیز گاری میں برابر کی حصہ دار ہیں۔ عورت بھی ویسی ہی انسان ہے جیسے مرد ہیں۔ قرآن پاک میں متعدّد جگہوں پر عورت اور مرد کے مساوات کی نشاندہی کی گئی ہے جو نہ صرف وہ فطرت کے عین مطابق ہے بلکہ روے زمین کے سبھی انسانوں کے لیے باعث خیر و عافیت بھی ہے۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا۔ (۱۴)

یعنی "جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا"۔

سورۃ النساء میں ہی ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ۔ (۱۵)

یعنی "مردوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ"۔

لہذا جو درجات مردوں کے لیے ہیں وہی درجات عورتیں بھی حاصل کر سکتی ہیں۔ اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا اجر کسی طرح بھی رائگاں نہیں کیا جاتا اور یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ عورت اور مرد کے کسی بھی عمل کو ضائع نہیں کرتا ہے۔ سورہ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ۔ (۱۶)

یعنی "تو ان کی دعا سن لی ان کے رب نے کہ میں تم میں کام والے کی محنت اکارت نہیں کرتا، مرد ہو یا عورت"۔

اسی طرح سورۂ النحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾۔ (۱۷)

یعنی "جو اچھا کام کرے مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان تو ضرور ہم اسے اچھی زندگی جلائیں گے اور ضرور انھیں ان کا نیگ دیں گے جو ان کے سب سے بہتر کام کے لائق ہوں۔"

دین اسلام اپنے آپ میں عدل و انصاف اور مساوات کا علم بردار ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتا اور نہ ہی عدم مساوات کا درس دیا ہے۔ اسلام کے نزدیک انسان (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) کی فلاح و کامرانی مثبت فکر و عمل کی درستی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اسلام نے صاف اور واضح الفاظ میں بیان کر دیا کہ عزت و ذلت اور سر بلندی و نیک بختی کا معیار تقوی، سیرت اور حسن اخلاق ہے جو اس معیار پر جتنا کھرا ثابت ہوگا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا ہی قابل قدر اور مستحق اکرام ہوگا۔ مرد اور عورت کے متعلق قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ

وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصّٰٓىِٕمِيْنَ وَالصّٰٓىِٕمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا (۳۵) ۔ (۱۸)

"بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے اور ایمان والیاں اور فرماں بردار اور فرماں برداریں اور سچے اور سچیاں اور صبر والے اور صبر والیاں اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں اور خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں اور روزے والے اور روزے والیاں اور اپنی پارسائی نگاہ رکھنے والے اور نگاہ رکھنے والیاں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ان سب کے لیے اللہ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔"

قرآن پاک کی اس روشنی میں عورت اور مرد دونوں کو مساوی مقام عطا کیا گیا ہے اور دونوں کو مذہبی، سماجی اور معاشی سطح پر مساوات کا درس بھی دیا ہے۔ بلندی درجات اور ترقی کے لیے خواہ وہ اخلاقی، روحانی یا جسمانی ہو ہر اعتبار سے یکساں مواقع فراہم کیے ہیں۔ مرد اور عورت دونوں میں سے جو بھی اپنے نامۂ اعمال کو کردار و گفتار کی پاکیزگی سے مزین کرے گا کامیابی و کامرانی اسی کے لیے ہوگی۔ انھیں یہ سوال ہرگز نہ کیا جائے گا کہ تمھارا تعلق کس خاندان اور کس طبقہ اور کس صنف انسانی سے تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں کی کامیابی کا انحصار صبر و تحمل، تقویٰ و پرہیزگاری پر ہے۔ کامیابی و سرخروئی کا جو معیار مرد کے لیے ہے، وہی معیار عورت کے لیے بھی ہے۔ اس معیار تک پہنچے بغیر نہ مرد اپنی منزل کو پا سکتا ہے اور نہ عورت۔ رسول اکرم ﷺ نے خواتین کو قدر و منزلت کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا۔ اسے زندگی کی قیمتی چیزوں میں بہترین چیز قرار دیا ہے۔

حضور سرور کائنات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ دنیا ایک شیریں اور شاداب شئے ہے لیکن اس میں سب سے بہترین نعمت نیک عورت ہے۔

عزت و شرف اور حقوق و مراتب کے جتنے درجات اسلام نے عورتوں کو بخشا ہے اس طرح کے درجات دنیا کی کسی بھی ملک کے قدیم و جدید معاشرتی نظام نے نہیں دیئے اور نہ ہی دنیا کے نقشے میں اس کی کوئی نظیر ملتی ہے۔ عورت کو ماں، بیٹی، بیوی ا اور بہن کی حیثیت سے چار مرحلوں میں سے وہ کسی بھی مرحلے میں ہو۔ اس کے حقوق کی پاسداری ہر جگہ موجود ہے۔ ماں کی عظمت کا معیار اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں الجنت تحت اقدام الامھات یعنی جنت تمھاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے اور جہاد پر جانے سے زیادہ ترجیح ماں کی خدمت کرنے سے ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے اچھے سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے حضور نے ارشاد فرمایا۔ تمھاری ماں، اس شخص نے پوچھا پھر کون۔ حضور نے فرمایا تمھاری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون، حضور نے ارشاد فرمایا پھر تمھاری ماں۔ اس نے عرض کیا پھر کون، حضور نے ارشاد فرمایا پھر تمھارے والد۔ یعنی اچھے سلوک کی سب سے زیادہ حقدار ماں۔ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی رضا ماں کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی ماں کی ناراضگی میں ہے اور ماں کی نافرمانی کو گناہ کبیر قرار دیا گیا ہے۔

جس کی لڑکیاں پیدا ہوں اور اچھی طرح ان کی پرورش کرے تو یہی لڑکیاں اس کے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔ سرکار دوعالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے امتیوں میں سے جس کے یہاں لڑکی پیدا ہوا اور وہ رنج و غم کا اظہار نہ کرے بلکہ خوشی محسوس کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں یاقوت کا تاج پہنے دو سبز بازوؤں والا فرشتہ بھیجتا ہے جو اسے رحمتوں اور برکتوں سے مالا مال کر دیتا ہے پھر اس کی پیشانی اور جسم پر ہاتھ پھیرتا ہوا یہ کہتا ہے کہ یہ ایک ناتواں و کمزور جان ہے جو ایک ناتواں سے پیدا ہوئی ہے اور اس کمزور کی تربیت کرنے والا قیامت تک مدد پاتا رہے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے یہاں بیٹی پیدا ہوا اور وہ اسے تکلیف نہ دے اور نہ ہی برا جانے اور نہ بیٹے کو بیٹی پر فضیلت دے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ اسی طرح حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان کا خیال رکھے، اچھی تربیت دے، ان کی کفالت کرے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ اگر دو ہوں تو۔ حضور نے ارشاد فرمایا دو ہوں تب بھی۔ اگر ایک ہو تو۔ حضور نے فرمایا اگر ایک ہو تب بھی۔ اس طرح اللہ کے پیارے محبوب نبی اکرم ﷺ نے بچیوں کی پیدائش پر بے شمار برکتیں اور عظمتیں رکھی ہیں۔ اس کے وجود کو رحمتوں کے نزول کا ذریعہ بنایا۔

بیوی کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنیا کی نعمتوں میں بہترین نعمت نیک بیوی ہے۔ ارشاد باری ہے کہ:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ (۱۹)

یعنی "اور عورتوں کا بھی حق ایسا ہی ہے جیسا ان پر ہے شرع کے موافق"۔

پھر حضور ﷺ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ دنیا کی چیزوں میں مجھ کو سب سے زیادہ محبوب، عورتیں اور خوشبو ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔ سورہ بقرہ کے پارہ ۲ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۔[۲۰]

”وہ تمھاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس“۔

اس لیے نکاح کر کے ان کو ساتھ رکھا جائے وہ ہمارے لیے رازہاے سربستہ کی امانت دار اور ہماری زندگی کے سفر کی شریک کار ہیں اس طرح سے قرآن و حدیث دونوں میں عورتوں کی قدر و منزلت اور اس کے حقوق کے متعلق جگہ جگہ تاکید آئی ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔[۲۱]

یعنی ”اور ان سے اچھا برتاؤ کرو“۔

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی تاکید کی گئی ہے۔

حضور سرور کائنات ﷺ کا مشہور تاریخی خطبہ جو انہوں نے یوم عرفہ میں دیا تھا اس خطبے میں بھی عورتوں کو نظر انداز نہیں کیا اور فرمایا کہ لوگوں عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ تم نے ان کو اللہ کے نام سے حاصل کیا ہے۔ اگر ان کی حق تلفی ہوگی تو بروز قیامت وہ دامن گیر ہونگی اور آپ سے مواخذہ کیا جائے گا۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے متعدّد موقعوں پر مردوں کو عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم فرمایا اور ہر حالت میں حسن سلوک اور بہتر معاشرت کی ترغیب دی ہے۔ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ تعلیم و تربیت جس طرح مردوں پر فرض ہوا اسی طرح سے عورتوں پر بھی فرض ہے۔ لہذا علم کے طلب کرنے کے لیے دونوں کو مساوی درجہ اور حق دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے آداب معاشرت دینی اور اخلاقی تعلیمات سے سرفراز ہونے کے لیے جس طرح مرد آپ کی بارگاہ اقدس میں آتے تھے اسی طرح عورتیں بھی آتی تھیں اور تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ آپ نے ان کے لیے وقت مقرر فرما دیا تھا تاکہ ان کا مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہوسکے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ صرف عورتوں کو بلکہ مردوں کو بھی علم کی باتیں بتاتی تھیں۔ ان کے متعلق حضرت مسروق تابعی فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں اصحاب رسول کو دیکھا ہے وہ فرائض کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فتویٰ لیتے تھے۔ حضور ﷺ کے جانثار صحابہ کرام اور تابعین عظام بھی ان سے قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ حضور سرکار دو عالم ﷺ نے اعلیٰ خاندان اور عالی نسب کی خواتین ہی کو نہیں بلکہ انہوں نے لونڈیوں کو بھی علم و ادب سے آراستہ کرنے کا حکم دیا۔ بخاری شریف کی حدیث ہے حضور نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اس کو خوب تعلیم دے اور عمدہ تہذیب و ادب سکھائے پھر اس کو آزاد کر کے شادی کرے اور اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔

اسلامی علوم و فنون، اخلاق و معاشرت، تہذیب و آداب کے حصول اور دین کی تعلیمات کو فروغ اور اس کی اشاعت میں جس طرح سے مردوں نے حصہ لیا ہے، بعینہ عورتوں نے بھی نہ صرف حصہ لیا ہے بلکہ گرانقدر، خدمات انجام دی ہیں۔ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اور حضرت سمیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خواتین اسلام میں سب سے پہلے جام شہادت نوش کرنے کا شرف حاصل ہے۔ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام کا باعث ان کی ہمشیرہ حضرت فاطمہ بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ یہ وہ برگزیدہ خواتین ہیں جنھوں نے اسلامی طرز معاشرت اور تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو کر دنیا میں آنے والی نسلوں اور خاص طور سے عورتوں کے لیے روشن نظیر قائم کیا۔

اسلام میں چند ایک معاملات کے سبب مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہوئی۔ لیکن ساتھ ہی عورتوں کے حقوق کی بھی واضح کر دیا گیا تاکہ مرد خود سری میں مبتلا نہ ہوجائے، حصول تعلیم کے لیے کلی اختیارات کا حق، وراثت و جائیداد کا حق، شوہر کے انتخاب کا حق، مہر اور نان و نفقہ کا حق، بعض پریشانیوں کے باعث شوہر سے خلع لینے کا حق یا بیوہ ہو جانے پر عقد ثانی کا حق، پسند و ناپسند، آزادی رائے اور عملی زندگی بسر کرنے کا حق، ملازمت کرنے کا حق، کاروبار یا تجارت کرنے کا حق اور دائرہ اسلام میں رہتے ہوئے چند معاملات کو چھوڑ کر قاضی کے فرائض انجام دینے کا حق بھی اسے عطا کیا گیا۔ یہ سبھی چیزیں دین اسلام میں عورتوں کے بنیادی حقوق میں شامل ہیں۔ دنیا کی کسی بھی قوم یا مذہب نے عورتوں کو اس طرح کے حقوق عطا نہیں کیے جو اسلام نے انہیں عطا کیا ہے۔

آج اس جدید دور میں ہر جگہ حقوق نسواں کی بات کی جا رہی ہے۔ تقریباً ہر شعبۂ زندگی میں ان کی مساوی حقوق کے مطالبات کی مہم زور و شور سے جاری ہے۔ اور خود خواتین بھی حصول حقوق کے لیے مردوں کے دوش بدوش اور قدم سے قدم ملا کر حکومت سے مطالبہ کر رہی ہیں کہ ہمیں بھی وہ حقوق ملنا چاہیے، جو مردوں کو اس معاشرے میں حاصل ہے۔ تقریباً ساڑھے چودہ سو برس پہلے پیغمبر اسلام ﷺ نے عورتوں کو حیات افزا جو حقوق عطا کیے تھے۔ ان سے ان کی عزت و حرمت اور قدر و منزلت نہ صرف بحال ہوئی بلکہ وہ علم و ادب اور تقویٰ و طہارت کے ہر میدان عمل میں اپنی الگ شناخت رکھتی ہیں اور ان کی بہتر زندگی کا راز بھی ان ہی حقوق کی مرہون منت ہے۔ اگر آج بھی اسلام کے بخشے ہوئے ان حقوق کی پاسداری کی جائے تو دنیا کی کسی بھی عورت کو اپنی آواز بلند کرنے کی یا اسٹیج لگا کر احتجاج کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔.....**(باقی ص:۵۴ پر)**

فکرونظر

سلطان الہند خواجہ غریب نواز اور اسلامی تبلیغ واشاعت

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر وبصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

مارچ ۲۰۱۸ء کا عنوان	شبِ براءت میں کیا پڑھیں، نوافل یا قضائے عمری
اپریل ۲۰۱۸ء کا عنوان	رمضان المبارک کی اخلاقی اور روحانی قدریں

خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ: کفرستانِ ہند کی ایک روشن قندیل

از: محمد ساجد رضا مصباحی، استاذ دار العلوم غریب نواز، داہو گنج، کشی نگر (یوپی)

غیر منقسم ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے متعدّد اسباب وعوامل نظر آتے ہیں۔ تاریخی تجزیہ نگاروں نے مندرجہ ذیل اسباب کا ذکر کیا ہے:

۱۔ عرب تجار کی تبلیغی مساعی۔ ۲۔ مسلم سلاطین کا اسلامی تہذیب وثقافت کو فروغ دینا۔ ۳۔ صوفیاے کرام کی جدوجہد۔ ۴۔ علما کی تدریسی، تقریری اور تحریری خدمات۔ ۵۔ انسانی مساوات واخوت کا اسلامی تصور۔ ۶۔ ذات پات کی تفریق سے نفرت وبیزاری۔

بلاشبہ ان میں سے ہر عامل نے اپنے اپنے خطوط پر نمایاں کردار ادا کیا اور ان سارے محرکات نے ہندوستانی سماج کو متاثر کیا جس کے نتیجے میں یہاں اسلام کا گلستاں آباد ہوا۔ لیکن دیار ہند میں اسلامی بہار، اللہ اکبر کی گونج، شعائر اسلام کی تابندگی، اہل ایمان کے قلوب میں حق کی خاطر مرمٹنے کا جذبہ، امن وسلامتی کی فضائیں، راحت وسکون کی ہوائیں، شائستہ تہذیب اور پاکیزہ تمدن کی رونقیں، غرض اسلام کی ساری بہاریں سلطان الہند، غریب نواز حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کی ذات پاک کی برکتوں کا خلاصہ اور آپ ہی کی تعلیمات کی مرہون منت ہے، آپ کے گفتار وکردار سے سرزمین ہند کے گوشہ گوشہ میں خوش اخلاقی وراست بازی کے پرچم لہرائے اور اسلام کی سدا بہار خوشبوؤں سے اہل ہند کے قلوب واذہان معطر ہو گئے۔

جن دنوں سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ مختلف علاقوں کا سفر فرماتے ہوئے اجمیر معلی میں قیام پذیر ہوئے، اجمیر راجپوت سامراج کا مضبوط مرکز اور ہندوؤں کا مذہبی گڑھ تھا، دور دور سے ہندو مذہبی رسومات کی ادئیگی کے لیے یہاں جمع ہوتے تھے، لیکن آپ نے ان سامراجی قوتوں کی پروانہ کرتے ہوئے مکمل عزم اور غیر معمولی خود اعتمادی کے ساتھ اس کفرستان میں مستقل قیام کا عزم فرما لیا، آپ کا ہندوستان تشریف لانا اور اجمیر معلی میں قیام فرمانا ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب کا باعث بنا۔ اس انقلاب نے ہندوستان کی تاریخ کا دھارا بدل دیا، یہ صرف روحانی انقلاب نہیں تھا بلکہ سماجی اور اخلاقی سطح پر بھی ہندوستان میں ایک ایسا عظیم انقلاب برپا ہو جس نے یہاں کے باشندوں کے عقائد ونظریات پر گہرا اثر ڈالنے کے ساتھ ان کی سوچ اور فکر کے زاویوں کو بھی تبدیل کر دیا۔

گیارہوں صدی عیسوی میں ہندوستان مکمل طور پر کفر شرک کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، یہاں کی سماجی حالت بھی حد درجہ خستہ تھی، چھوت چھات نے انسانی زندگی کے سارے سرچشمے مسموم کر دیے تھے، آرام وآسایش کے سارے سامان اور زندگی کی ساری

سہولتیں اونچی ذات کے لوگوں کے لیے مختص تھیں، چھوٹی ذات کے لوگوں کے لیے زندگی بوجھ بن چکی تھی۔ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھوت چھات کے اس بھیانک ماحول میں اسلام کا نظریہ توحید اور نظریہ عدل و مساوات عملی حیثیت سے پیش کیا اور اہل ہند کو یہ باور کرایا کہ مساوات زندگی کا ایک ایسا اصول ہے جس کو تسلیم کر لینے کے بعد ذات پات کی ساری تفریقیں مٹ جاتی ہیں، نفرت وحقارت کی دیواریں منہدم ہو جاتی ہیں، اسلام اپنے ماننے والوں کے درمیان کسی طرح کی کوئی تفریق روا نہیں رکھتا، اسلام میں ذات برادری کی چھوت چھات کا کوئی گزر نہیں، اسلامی سماج میں کالے گورے، امیر غریب، چھوٹے بڑے ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہندوستانیوں کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ کر ایک زبردست دینی وسماجی انقلاب کا اعلان فر ما دیا تھا، ہندوستان کے لاکھوں مظلوم انسانوں کے لیے یہ اعلان مژدہ جاں فزا تھا اور لوگ جوق در جوق اس انقلابی شامیانے کے سائے میں آکر دوبارہ زندگی کا کیف محسوس کرنے لگے تھے۔

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے بہت ہی نظم وضبط کے ساتھ تحریک چلائی، اجمیر جیسے ہندو مذہبی گڑھ میں اس تحریک کا مرکز قائم فرمایا، اور پھر پورے غیر منقسم ہندوستان میں تحریک دعوت واصلاح کا ایسا نیٹ ورک قائم کیا تاریخ جس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اللہ رب العزت نے آپ کے اندر حیرت انگیز تاثیر پیدا فرمائی تھی، آپ کی نظر کی تاثیر کا عالم یہ تھا کہ جس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ لیتے اس کی زندگی میں انقلاب برپا ہو جاتا، معصیت کے سوت خشک ہو جاتے اور پل بھر میں اس کے دل کی دنیا بدل جاتی۔ سیرت غریب نواز پر لکھی جانے والی اکثر کتابوں میں منقول ہے کہ جب آپ لاہور سے دہلی ہوتے ہوئے اجمیر شریف کے سفر پر تھے تو دوران سفر سات سو لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ایک اجنبی مسافر جو حالت سفر میں ہے، جن کی عظمتوں اور رفعتوں کا اب تک کوئی چرچا نہیں ہوا ہے، ان کے دست اقدس پر اتنی بڑی تعداد کا اسلام قبول کرنا ان کی زبردست تاثیر لسان اور خداداد داعیانہ کمالات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

رسالہ احوال پیران چشت میں لکھا ہے کہ: ”نظر شیخ معین الدین بر ہر فاسقے کہ افتادے در زماں تائب شدے، باز گرد معصیت نگشتے“۔ ترجمہ: حضرت شیخ معین الدین (قدس سرہ) کی نظر جس فاسق پر پڑ جاتی وہ تائب ہو جاتا پھر کبھی گناہ کے قریب نہیں جاتا۔

(بحوالہ تاریخ مشائخ چشت، از: خلیق احمد نظامی، ص:۱۴۶)

سلطان الہند خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تبلیغ اسلام کی راہ میں بے شمار مصائب وآلام برداشت کیے، حالات کی نامساعدت اور ماحول کی برہمی نے قدم قدم پر راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن اشاعت اسلام کے جذبہ جنوں نے کبھی آپ کو ہتھیار ڈالنے نہیں دیا۔ کچھ ہی دنوں میں اجمیر اور نواح واطراف میں کفر وشرک کی تاریکیاں چھٹنے لگیں، بت خانوں سے پھیلنے والی ناقوس کی آواز کی بجائے اجمیر کی فضائیں اللہ اکبر کی پاکیزہ صداؤں سے گونجنے لگیں، آپ کی پُر تاثیر نصائح، حیرت انگیز کرامات، زبردست روحانی طاقت، اعلیٰ اخلاق وکردار، بے مثال عفو ودرگزر، رحم وکرم اور شفقت ومہربانی کے برتاؤ کو دیکھ نہ صرف یہ کہ عوام بلکہ خواص، حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز افراد اور راجہ کے مقربین بھی بہت تیزی کے ساتھ دامن اسلام سے وابستہ ہوتے گئے۔ لوگوں نے جب آپ کی سیرت وکردار، علم وفضل اور ذکر وفکر کے انداز واطوار کو دیکھا تو وہ خود بہ خود آپ کی طرف متوجہ ہوتے گئے۔ چنانچہ اجمیر کا جو بھی آدمی ایک مرتبہ آپ کی خدمت عالی میں حاضر ہو جاتا وہ آپ کا مرید و معتقد اور گرویدہ ہو جاتا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگوں نے آپ کی صحبت کیمیا اثر اور آپ کے عظیم اخلاق وکردار کے باعث اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ ایک مشہور روایت کے مطابق تقریباً نوے لاکھ (۹۰ لاکھ) غیر مسلم اسلام کی دولت سے فیض یاب ہو کر مسلمان ہوئے۔

خزینۃ الاصفیا میں ہے:

ہزار در ہزار از صغار وکبار بخدمت آں محبوب کردگار حاضر شدہ مشرف بہ شرف اسلام وارادت آں حضرت شدند۔ ترجمہ: ہزارہا ہزار چھوٹے بڑے اس محبوب خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبو کرتے اور آپ کے مرید ہوتے“

پروفیسر خلیق احمد نظامی تاریخ مشائخ چشت میں لکھتے ہیں:

”پرتھوی راج کا ایک مقرب درباری، ان کے حلقہ مریدین میں شامل تھا، جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے اثرات کا دائرہ بہت وسیع

ہو گیا تھا۔" (ص:۱۴۶)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ اسلام، احیاے دین وملت، نفاذ شریعت اور تزکیۂ قلوب واذہان کا اہم ترین فریضہ جس موثر اور دل نشین انداز میں انجام دیا، وہ اسلامی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ قرآن وسنت کا قابل رشک نمونہ تھی۔ آپ کی تمام زندگی تبلیغ اسلام، عبادت وریاضت اور سادگی وقناعت سے عبارت تھی۔ آپ ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو قیام میں گزارتے تھے۔ آپ مکارم اخلاق اور محاسن اخلاق کے عظیم پیکر اور اخلاق نبوی ﷺ کے مکمل نمونہ تھے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ غربا اور مساکین کے لیے سراپا رحمت وشفقت کا مجسمہ تھے اور غریبوں سے بے مثال محبت و شفقت کی وجہ سے دنیا آپ کو "غریب نواز" کے عظیم لقب سے یاد کرتی ہے۔ دنیا سے بے رغبتی اور زہد وقناعت کا یہ عالم تھا کہ آپ کی خدمت عالیہ میں جو نذرانے پیش کیے جاتے وہ آپ اسی وقت فقرا اور غربا میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ سخاوت وغریب نوازی کا یہ حال تھا کہ کبھی کوئی سائل آپ کے در سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔ آپ بڑے حلیم وبردبار، منکسر المزاج اور بڑے متواضع تھے۔ یہ تمام اوصاف آپ کو خلق خدا سے قریب کرنے اور ان کے دلوں میں اسلام کی محبت جاگزیں کرنے میں خاص کردار ادا کرتے۔

آپ کے پیش نظر زندگی کا اصل مقصد تبلیغ اسلام اور خدمت خلق تھا۔ آپ کے بعض ملفوظاتِ عالیہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ بڑے صاحب دل، وسیع المشرب اور نہایت دردمند انسان تھے۔ آپ عمیق جذبہ انسانیت کے علمبردار تھے۔ آپ اپنے مریدین، معتقدین اور متوسلین کو یہ تعلیم دیتے تھے کہ وہ اپنے اندر دریا کی مانند سخاوت وفیاضی، سورج ایسی گرم جوشی وشفقت اور زمین ایسی مہمان نوازی اور تواضع پیدا کیا کریں۔

ہم یہاں حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ کفار ومشرکین کے قبول اسلام کے واقعات سے صرف نظر کرتے ہوئے اشاعت اسلام کے لیے آپ کے قائم کردہ نظام اور پورے ہندوستان پر اس نظام کے مرتب ہونے والے اثرات کا ایک مختصر جائزہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ اشاعت اسلام کی جو تحریک اجمیر معلیٰ کی سرزمین سے چلائی اس سے مقصود ہندوستان کے کسی ایک خطے کو متاثر کرنا نہیں تھا بلکہ وہ پورے غیر منقسم ہندوستان کو نور توحید سے منور کرنا چاہتے تھے، ان کا مقصود تھا کہ اسلام کی کرنیں ہندوستان کے شرق سے غرب تک پہنچ کر کفر وشرک کی تاریکیوں کا خاتمہ کریں، اس مقصد میں کامیابی کے لیے ایک مضبوط نیٹ ورک کی ضرورت تھی، چنانچہ حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے خلفا اور خلفا کے خلفا کے ذریعہ پورے ہندوستان کو اس نیٹ ورک میں شامل کر لیا۔ محمود غوری اور قطب الدین ایبک کی فتوحات کے بعد اجمیر کی سیاسی حیثیت متاثر ہوئی اور دہلی کو سیاسی مرکزیت حاصل ہوئی تو آپ نے اپنے اپنے عزیز خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو اسلام کی نشر واشاعت کے لیے متعیّن فرمایا، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت میں دہلی کے اندر ارشاد وہدایت کا ایسا ہنگامہ برپا کیا کہ دہلی کی سرزمین اسلامی ہند کا قلب وجگر بن گئی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے دارالسلطنت کے مہلک اثرات سے اپنا دامن بچاتے ہوئے اسلامی افکار ونظریات کو تمام طبقات تک پہنچانے میں کامیابی حاصل کی۔ آپ کی داعیانہ جد وجہد اور بے پناہ فضائل وکمالات سے متاثر ہو کر خلق خدا آپ پر جان نچھاور کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتی، یہاں تک کہ سلطان وقت بھی آپ کے غبار راہ کو اپنے لیے تبرک سمجھتا تھا۔ آپ نے دعوت وتبلیغ کے ذریعہ پورے شمالی ہند فیض یاب فر مایا اور اشاعت اسلام کے حوالے سے حضرت خواجہ غریب نواز کے مشن کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلفا میں شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ذریعہ اسلام کی اشاعت کا کام بہت ہی وسیع پیمانے پر ہوا، آپ نے دہلی کے ناسازگار حالات کے سبب اجودھن کو اپنا مرکز تبلیغ بنایا، بابا فرید نے اپنی روحانی عظمت، کردار کی بلندی کے سبب خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ اشاعت اسلام کی تحریک کو چار چاند لگا دیا اور اس کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، آپ کے مریدین وخلفا کا ایک ایسا حلقہ تیار ہوا جس نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ

میں اس تحریک کو آگے بڑھانے میں جد وجہد کی، اس حلقے کی مشترکہ کوششوں سے اسلام کی روشنی شمالی ہند کے گوشے گوشے تک پہنچ گئی۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے تقدس کا اس قدر شہرہ ہوا کہ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے ہاتھ میں بیعت کی اور ان کے جلیل القدر خلیفہ ہوئے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے بقول:

"ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے ہاتھوں پڑی، حضرت بابا فرید گنج شکر نے اسے منظم کیا اور حضرت شیخ نظام الدین اولیا نے اسے معراج کمال تک پہنچا دیا، نصف صدی سے زیادہ دہلی میں ان کی خانقاہ ارشاد وتلقین کا مرکز اور رشد وہدایت کا سرچشمہ رہی، ملک کے گوشہ گوشہ سے لوگ پروانوں کی طرح وہاں جمع ہوتے اور عشق الٰہی کی تپش اور خدمت خلق کا جذبہ لے کر واپس ہو جاتے" (تاریخ مشائخ چشت، ص:۱۷۱)

محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے کثیر خلفا ہوئے، آپ نے انہیں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تبلیغ دین کے لیے مامور فرمایا، بنگال میں شیخ اخی سراج آئینہ ہند اور ان کے خلیفہ شیخ علاء الحق پنڈوی، دکن میں شیخ برہان الدین غریب، گجرات میں شیخ سید حسین اور شیخ حسام الدین ملتانی، مالوہ اور اس کے نواح میں شیخ وجیہ الدین یوسف کلیر اور نواح میں شیخ علاء الدین صابر کلیری وغیرہ پورے نظم وضبط کے ساتھ اسلام کی روشنی پھیلانے میں مصروف تھے۔ گویا حضرت خواجہ غریب نواز کی تحریک آپ کے خلفا اور خلفا کے خلفا کے ذریعہ پورے ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ واشاعت میں اہم کردار ادا کر رہی تھی۔ آج بھی ان نفوس قدسیہ کی قائم کردہ خانقاہوں سے برصغیر ہند وپاک اور پڑوسی ممالک میں اسلام کی شمع روشن ہے، اور اں خانقاہوں سے وابستہ افراد اپنے عقیدہ وایمان کی حفاظت کو اسی وابستگی کا فیض سمجھتے ہیں۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا اعلیٰ اخلاق وکردار او آپ کے ہمہ گیر دعوتی نظام کی اہمیت آج کے پر آشوب اور نفرت بھرے ماحول میں داعیانِ اسلام کے لیے مشعل راہ اور نمونہ عمل ہے۔ آپ کی داعیانہ زندگی کا مطالعہ ہمیں یہ باور کراتا ہے کہ غیروں میں اسلام کی دعوت وتبلیغ کے لیے جو چیز سب سے موثر ہوتی ہے وہ ضبط وتحمل اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ عمدہ اخلاق کردار ہے، اپنے غیر سب کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ، محبت آمیز لہجہ، رواداری اور قومی یک جہتی کو ہر حال میں ترجیح دے کر ہی ہم اپنی دعوتی تحریک کو کامیاب بنا سکتے ہیں۔

غریب نواز علیہ الرحمہ کی تبلیغی خدمات-ایک جائزہ

از: مولانا توفیق احسن برکاتی۔ استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

یہ حقیقت ہے کہ روحانی قوت اور باطنی توانائی اپنی اثر پذیری اور غیر معمولی استحکام کے سبب ناقابل تسخیر ہوتی ہے کہ ظاہری جاہ وحشم، شان وشوکت اور جسمانی طاقت والے اس کے مد مقابل آنے کی جرأت نہیں کرتے، چاہے وہ ایٹمی توانائی اور مقناطیسی صلاحیت کا کتنا ہی استعمال کیوں نہ کر لیں۔ حکومتوں کے اقتدار پذیر ہونے، کرسی اقتدار سے بے دخل ہونے اور اقوام عالم کے عروج وزوال کی داستانیں کافی پرانی ہو چکی ہیں، گردش لیل ونہار نے نہ جانے کتنوں کو ہدف ہلاکت بنایا اور بلا خیز طوفانوں نے شاہان وقت کو آن کی آن میں زیر آب کر کے ان کا نام ونشان مٹا دیا اور تاریخ انسانی نے انھیں فراموش کر دیا۔ لیکن جن داعیان حق نے اپنی شبانہ روز کی سعی جمیل سے گلستان محمدی کو رنگ وروغن بخشا، شجر اسلام کی آبیاری میں دن کا کام اور رات کا سکون سب بھلا دیا، وہ آج بھی ہمارے دلوں میں زندہ ہیں اور تاریخ انسانی میں بھی ان کے تذکرے جلی حرفوں میں مرقوم ہیں۔ خداوند قدوس کے فضل خاص سے وہ عظیم المرتبت جماعت خدا داد روحانی توانائی اور باطنی قوت وصلاحیت سے بھرپور دنیا پر بھی اپنی سلطنت قائم رکھے ہوئے ہے اور ہر دور میں عالم ان کی عظمت وسطوت کا لوہا مانتا رہا ہے، جو ہمہ وقت خدمتِ خلق اور خدمتِ دین کے فرائض باحسن تمام انجام دیتے ہیں، بعد وفات بھی ان کی روحانیت کا اثر ورسوخ قائم رہتا ہے اور ان کا تبلیغی مشن زندہ رہتا ہے اور توسیع پاتا رہتا ہے۔

سرزمین ہند کے خزاں رسیدہ چمن کو جس عظیم الرتبہ ذات نے باذن نبی کون و مکاں ﷺ اپنی تبلیغی مساعی سے لالہ زار بنایا اور یقین و اسلام کی جو فصابندی کی، اس کا اثر آج تک پھیکا نہیں ہوا۔ یہ بوریہ نشین غریبوں کا ملجا بن کر سسکتی امت کو ایمان و سکون کا مرہم زنگار دیتا رہا اور زخم خوردہ قوم اپنی جسمانی و روحانی صحت و طمانیت کا مزہ لوٹتی رہی اور آج تک لوٹ رہی ہے۔ وہ کوئی اور نہیں سلطان الہند حضرت سید معین الدین چشتی سجزی اجمیری علیہ الرحمہ کی بلند قامت ذات ہے۔ ہندوستان کی زرخیز، مردم خیز اور تاریخی سرزمین اس عالی مرتبت، ستودہ صفات ذات کا یہ احسان کبھی نہیں چکا سکتی، بعد وصال بھی اس کی روحانی سلطنت قائم ہے۔

سلوک و معرفت، طریقت و حقیقت کے اس نیر تاباں نے بہت جلد اپنی نورانی شعاعوں سے ارض ہند کو تابندگی بخشی اور اس کے علم و فضل اور روحانی عظمتوں کے چرچے دور دور تک پھیل گئے۔ پیر و مرشد خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کی خصوصی نگاہ التفات نے منازل روحانیت طے کرادیے اور کمالات ولایت سے بہرہ ور کیا، پیر و مرشد کے ہمراہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بدخشاں اور بخارا وغیرہ تشریف لے گئے، پیر و مرشد نے کعبہ شریف کے سامنے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کے لیے دعا کی تھی، عرض کیا تھا: رب قدیر! معین الدین کو تیرے سپرد کرتا ہوں" اسی وقت آواز آئی تھی کہ ہم نے قبول کر لیا۔ پھر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو تشریف لے گئے۔ روضۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے متعلق خود تحریر فرماتے ہیں:

"جب روضۂ رسول ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے تو حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے فقیر کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ اب تو حضور اقدس میں حاضر ہے، سلام کر، میں نے سلام عرض کیا، روضۂ انور سے آواز آئی: "و علیکم السلام یا قطب المشائخ للبر و البحر" جب یہ آواز آئی تو پیر و مرشد نے فرمایا: تیرا کام کمال کو پہنچا۔" (انیس الارواح، ص:٦)

دربار رسالت ﷺ سے آپ کو ہندوستان کی ولایت اور تبلیغ اسلام کی خدمت تفویض ہوئی، اسی وقت پیر و مرشد نے آنکھیں بند کرا کے سارا ہندوستان دکھا دیا۔ اس کے بعد اشاعت دین متین کے لیے ہندوستان کی طرف روانہ کر دیا۔

انیس الارواح میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے جب خرقۂ خلافت عطا کیا ہے تو اپنی دونوں انگلیاں آسمان کی طرف کر کے کہا کہ معین الدین دیکھو، دیکھا تو تمام فضلائے ملکوت و جبروت آپ کی نگاہوں کے سامنے تھے، جس وقت خلافت عطا ہوئی اس وقت آپ کی عمر شریف باون سال تھی۔ آپ ہندوستان کے سب سے بڑے اور سب سے پہلے اسلامی قائد تھے جن کی مساعی جمیلہ سے نہ صرف یہ کہ ارض ہند کا کفر پرور گوشہ گوشہ اسلامی شعاعوں سے جگمگا اٹھا بلکہ اسلامی سلطنت بھی قائم ہو گئی۔ آپ نے اپنی علمی و روحانی خدمات کے ذریعہ بندگان خدا کو خدا شناسی کا درس اور تبلیغی مشن کو خوب خوب آگے بڑھایا، آپ کی تبلیغ کے نتیجے میں دہلی میں دوران قیام تقریباً سات سو مشرک مشرف بہ اسلام ہوئے، اور پورے ہندوستان میں مجموعی طور پر نوے لاکھ لوگ اسلام کے دامن سے وابستہ ہوئے۔ آپ نے ہندوستان میں نشو و نما پا رہے فتنوں کا سد باب کیا، ظلم و عدوان کی کمر توڑی اور کفر و شرک کا جنازہ نکال دیا، اپنی تبلیغی ذمہ داریاں نبھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

ایسا نہیں ہے کہ ان کے ہندستان آنے سے قبل یہاں اسلام کا سویرا طلوع نہیں ہوا تھا، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ خود اجمیر میں اسلام موجود تھا لیکن ہند کا جو اسلامی نقشہ خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ نے تیار کرایا وہ ان سے قبل ایسا وسیع و عریض اور رنگارنگ بالکل بھی نہیں تھا، یہ آپ کی تبلیغی کوششوں اور انتھک محنتوں کا نتیجہ ہے، یہ تاریخ کے سچے اوراق ہیں، جنھیں جھوٹا نہیں قرار دیا جا سکتا۔

آپ روحانیت کی اعلیٰ قدروں سے آشنا تھے، بحر علم باطنی کے شناور اور حقیقت و معرفت کی بلند ترین منزل پر فائز تھے، آپ کا شمارہ اجلہ اولیا میں ہوتا ہے، آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے استفادہ کرنے والے صرف ہندوستانی ہی نہیں پوری عالمی اقوام ہے اور اس عظیم روحانی آقا کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کی

غرض سے دربار خواجہ میں حاضری کو خوش بختی تصور کرتی ہے، ہر سال لاکھوں افراد کی بھیڑ یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ روح والے ہیں جو پروانہ وار اجمیر مقدس کا رخ کرتے ہیں اور آرزوئوں کی تکمیل کے لیے روضۂ خواجہ کے پاس کھڑے ہو کر عرضیاں لگاتے ہیں اور دامن مراد بھرتے ہیں اور وہ روحانیت والے ہیں جن کا جلوۂ روحانیت اور اس کی تابندگی ہر طرف دکھائی دے رہی ہے۔

آپ نے تبلیغ دین کے لیے علم ظاہری کو بھی وسیلۂ اظہار بنایا اور علم باطنی کا بھی سہارا لیا۔ اعلیٰ اخلاق و کردار نے بھی ہندستانیوں کو متاثر کیا اور وہ بصد شوق اسلام کے دامن میں پناہ لینے لگے، زبانی دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کو بھی اپنے مشغلے میں شامل رکھا، چنانچہ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن کے مطالعے سے معرفت الٰہی کے اسرار و رموز وا ہوتے ہیں اور ایمان و ایقان کو روئیدگی حاصل ہوتی ہے۔ انھیں اپنے مقاصد میں بے پناہ کامیابی ملی، ان رازوں سے جب پردہ اٹھتا ہے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کی ذات پر اللہ کے رسول ﷺ کا خصوصی فیضان ابر بارندہ بن کر برستا رہا اور آپ علم و یقین کے سحاب سے نہال ہوتے رہے، خود اعتمادی، نکتہ رسی، مشن پر بھرپور توجہ دینا، اللہ و رسول کی رضا کو فوقیت دینا، توکل علی اللہ، خود آگہی، خدا شناسی، دینی احکام پر سختی سے عمل کرنا، یہ وہ جواہر غالیہ ہیں جو ان کے تبلیغی مشن کے ہالے میں نظر آتے ہیں اور ہمیں دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ انھوں نے غیروں کو اپنا بنایا، دشمنوں کو دوست بنایا، اپنوں کو دل سے قریب کیا، اجنبیت سے بھرپور ماحول میں معرفت کا موسم اگایا، علم و آگہی سے بنجر زمین کو آباد کیا، نتہائی محنت و مشقت کی اور بے طرح کامیاب ہوئے۔ ان کی زندگی ایک سبق ہے، ایک فکر ہے، ایک نقش ہے، ایک نشان راہ ہے جو ہر آن ہمیں منزل آشنا کرنے کی دعوت دیتا ہے اور ہمیں ماحول شناسی، مزاج شناسی کا جوہر عطا کرتا ہے۔ دین کی تبلیغ میں حکمت و موعظت کو شرط اولین قرار دیا گیا ہے، یہ خوبیاں حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی پاک میں پوری توانائی کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ اور ہم ہیں کہ نہ حکمت سے یارانہ، نہ موعظت سے آشنائی، لیکن دانش وری کا بکھیڑا اتنا کہ لقمان حکیم کی حکمت پھیکی معلوم دینے لگے۔ کاش! ہم غریب نواز علیہ الرحمہ جیسے عظیم روحانی و علمی قائد کے نقوش پا اپناتے تو ان کا چھوڑا ہوا مشن خون کے آنسو نہیں رو رہا ہوتا۔ لہٰذا اب بھی وقت ہے کہ ہم ان کی حیات کے تبلیغی گوشوں کو پڑھنے کی کوشش کریں اور ان پر غور کریں، پھر کوئی لائحہ عمل مرتب کر کے عملی اقدام کریں تو یہ ان کی بارگاہ میں بہت بڑا اخراج عقیدت ہوگا اور حضرت خواجہ کی روح کافی خوش ہوگی اور ان کا فیضان نصیب ہوگا۔

یہ روحانی طاقتیں شریعت سے الگ کچھ نہیں ہیں، شریعت پر عمل ہی ہمیں روحانیت کی دہلیز تک لے جاتا ہے، اس کے بغیر سب کچھ دھواں دھواں سا ہے، ماضی کی خانقاہیت میں شریعت جزو اول کا درجہ رکھتی تھی، ایک خانقاہ کا سجادہ نشین شریعت کا عامل اور طریقت کا پیکر جمیل ہوا کرتا تھا، جہاں چلہ کشی بھی ہوتی تھی اور قال اللہ و قال رسول اللہ کی صدائیں بھی سنائی دیتی تھیں، درس گاہ خانقاہ کا جزو لاینفک تھی، اب بیشتر خانقاہوں کو درسگاہوں سے الگ کر دیا گیا ہے، نتیجتاً یہ روحانی شفاخانے غلط ہاتھوں میں چلے گئے، اب یہاں صاحب مزار کی روحانی طاقت سے آسیب تو دور ہوتے ہیں، بلائیں تو ٹل جاتی ہیں مگر ایک شریعت ناآشنا کو شرعی مسائل بتانے والا نظر نہیں آتا، نہ شرعی امور کی پختگی دکھائی دیتی ہے، بعض خانقاہوں کے سجادہ نشین شرعی تقاضوں کی تکمیل میں کافی کمزوری کا مظاہرہ کرتے ہیں، نتیجہ ہمارے سامنے ہے، بھیڑ تو اکٹھا ہو جاتی ہے مگر نظروں کی تطہیر نہیں ہو پاتی، زبانوں پر تالے نہیں لگ پاتے، احساس زیاں پیدا نہیں ہو پاتا، ہم میں قوم کا درد سمجھنے کا شعور نہیں جاگتا، ہم ایک انسان کو خوش کرنے کے لیے اللہ و رسول کو ناراض کر لیتے ہیں اور پچھتاوا بالکل نہیں ہوتا، اس لیے ہمیں حضرت سلطان الہند علیہ الرحمہ کے تبلیغی مزاج کو سمجھنا ہوگا اور ایسی خانقاہیت کی بِنا ڈالنی ہوگی جو درس گاہیت کی خوبیوں سے مالا مال ہو۔ جہاں علم کا سمندر بھی موجزن ہو اور معرفت کا افق بھی درخشندہ ہو، روحانی مریض بھی بھیڑ لگائے ہوں اور تشنگان علوم بھی خیمہ زن ہوں۔ فن بھی تقسیم ہوتا ہو، ادب بھی ملتا ہو اور علم کے اجالے میں عرفان کا جام شیریں پلایا جاتا ہو۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

نقد و نظر

کتاب :مقامات والدین
مصنف :حضرت مولانا مفتی محمد بشیر احمد نعیمی
سابق صدر المدرسین جامعہ انوار العلوم تلسی پور، بلرام پور۔ یوپی
صفحات :۲۱۷
ناشر :الجامعۃ البرکاتیہ للبنات کرشنا نگر، کپل وستو نیپال
تبصرہ نگار:ڈاکٹر حمایت جائسی

والدین سے محبت، ان کی تعظیم و تکریم اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا انسان پر فرض ہے۔ یہ فریضہ اولاد پر اللہ کی جانب سے عائد کیا گیا ہے۔ اللہ اور اس کے پیارے رسول سرور کائنات ﷺ نے والدین کا مقام و مرتبہ انتہائی بلند فرمادیا ہے۔ ماں باپ کا ادب و احترام اور ان کی خدمت گزاری دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی حاصل کرنے کا انتہائی اہم ذریعہ ہے۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم یوں تو دنیا کے تمام مذاہب نے دی ہے لیکن ماں باپ کا جو مقام و مرتبہ مذہب اسلام نے متعیّن کیا ہے، اس کی مثال دنیا کے کسی بھی مذہب میں نہیں ملتی۔ اسلام کے نزدیک ماں باپ کے چہرے کو محبت بھری نگاہ سے دیکھنا عبادت ہے۔ اللہ رب العزت نے والدین کی رضا کو اپنی رضا اور ان کی ناراضگی کو اپنی ناراضگی قرار دیا ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ والدین کی رضا حاصل کیے بنا اللہ کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔ ماں باپ سے بدکلامی کرنے کو خدائے وحدہٗ لاشریک نے سخت ناپسند کیا ہے۔ یہاں تک کہ لفظ ”اف“ کو بھی اللہ نے ماں باپ کی شان کے خلاف قرار دیا ہے کیونکہ اس لفظ سے مزاج کے خراب ہونے کی بو آتی ہے۔ مگر آج کے اس ترقی یافتہ دور میں والدین کی عزت رسمی ہو کر رہ گئی ہے۔ مادیت زدہ معاشرے نے ماں سے محبت کے اظہار کے لیے سال میں ایک دن کو مختص کر لیا ہے۔ جب کہ اسلام میں تو ہر دن ہر لمحہ ماں کے لیے ہے۔ ماں جیسی عظیم ہستی ہمیشہ محبت و تکریم کے لائق ہے۔ اسلام کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ صرف ماں کے احترام کا ہی درس نہیں دیتا بلکہ باپ کے احترام کے بھی سبق سکھاتا ہے۔

پیش نظر کتاب ”مقامات والدین“ بزرگ عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد بشیر احمد نعیمی صاحب کی نہایت اہم تصنیف ہے۔ جس میں مصنف نے والدین کی عظمت و اہمیت اور ان کے مقام و مرتبہ کو قرآن و سنت، اقوال سلف و صالحین اور واقعات بزرگان دین کی روشنی میں اجاگر کرنے کی نہایت کامیاب کوشش کی ہے۔ یہ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ آج کے اس دور میں جب کہ والدین سے بے مروتی عام ہے ایسی مفید اور کارآمد کتابوں کی سخت ضرورت ہے جن کے مطالعہ کے بعد لوگ والدین کی قدر و قیمت کو سمجھیں اور اپنے ماں باپ کی خدمت و اطاعت کر کے اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کریں۔ اس حوالے سے یہ کتاب ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں صرف یہی نہیں کہ والدین کی عظمت پر روشنی ڈالی گئی ہو بلکہ مصنف نے والدین کے مقامات، اولاد کے لیے ماں باپ کی شفقت و ایثار اور ان کی بے لوث قربانیوں کا انتہائی خوبصورت تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ والدین کے تعلق سے جو حقوق و فرائض اولاد پر عائد ہوتے ہیں انہیں بھی بہت ہی موثر انداز میں بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی اولاد کی تعلیم و تربیت اور انھیں نیک و صالح بنانے کے سلسلے میں رہنما اصول بھی تحریر کیے ہیں۔

مصنف کتاب مولانا مفتی محمد بشیر احمد صاحب نعیمی کا تعلق پڑوسی ملک نیپال کے شہر کرشنا نگر سے ہے۔ آپ بابائے ملت علامہ مفتی عتیق الرحمٰن خاں رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگردوں میں ہیں۔ آپ نے ۱۹۵۵ء میں شمالی یوپی کی مشہور درسگاہ جامعہ انوار العلوم تلسی پور ضلع بلرام پور سے اپنے تعلیمی سفر کا آغاز کیا۔ ۱۹۶۴ء میں مرکزی درسگاہ دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف سے سند فضیلت حاصل کی۔ سالانہ امتحان میں اعلیٰ نمبروں سے کامیابی ملنے کی بنا پر مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ نے آپ کو اپنی سند خصوصی بھی عنایت کی تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ تک مادر علمی جامعہ انوار العلوم میں تدریسی خدمت انجام دی۔ ۱۹۷۷ء میں آپ نے ماریشس میں پورے دس سال تدریس و تبلیغ اور تصنیف کا فریضہ انجام دیا۔ ماریشس سے واپسی کے بعد جامعہ انوار العلوم میں صدر مدرس کے منصب عالی پر فائز ہوئے اور ۲۰۰۷ء میں باسٹھ سال کی عمر میں آپ جامعہ میں تعلیمی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے۔ اس وقت آپ اپنے گھر کرشنا نگر نیپال میں سکونت پذیر ہیں اور بفضلہ تعالیٰ تدریس اور تبلیغ کے ساتھ تصنیفی کام بھی کر رہے ہیں۔ آپ کی نصف درجن سے زائد کتابیں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر قارئین اور اہل علم حضرات سے داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ مذکورہ کتاب کو آپ کی تصنیفی کاوشوں کا حسین نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ کتاب کے آغاز میں مصنف کے تلمیذ رشید مولانا محمد عرفان قادری استاذ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ نے ”مصنف اور ان کی تصانیف“ کے عنوان پر معلوماتی مقالہ قلم بند کیا ہے۔ جب کہ مولانا محمد مسیح احمد مصباحی شیخ الحدیث و صدر مدرس جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور نے اپنے تاثر میں حضرت مصنف کی دینی خدمات کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ امید کی جانی چاہیے کہ مصنف کی دوسری کتابوں کی طرح اس کتاب کو بھی خاطر خواہ پذیرائی حاصل ہوگی اور علمی حلقوں میں یہ کتاب قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

نام کتاب: معراج مصطفیٰ ﷺ
مصنف : حضرت علامہ مفتی محمد بشیر احمد نعیمی
سابق صدرالمدرسین جامعہ انوارالعلوم تلسی پور، بلرام پور۔ یوپی
اشاعت بار سوم: اکتوبر ۲۰۱۷ء صفحات: ۱۸۷
قیمت: درج نہیں
ناشر: الجامعۃ البرکاتیہ للبنات کرشنا نگر کپل وستو، نیپال
تبصرہ نگار: محمد عرفان قادری-استاذ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، شاہی مسجد بڑا چاند گنج، لکھنؤ

معراج حضور اکرم نور مجسم سید عالم ﷺ کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین سید المرسلین ﷺ کی شان وعظمت ظاہر فرمانے کے لیے آپ کو معراج سے سرفراز فرمایا۔ واقعۂ معراج سے جہاں تاجدار کائنات محمد عربی ﷺ کے مقام ومرتبہ اور بارگاہ رب العزت میں آپ کی مقبولیت کا غیر معمولی اندازہ ہوتا ہے وہیں پر یہ واقعہ ہمارے ایمان وعقائد کو بھی جلا بخشتا ہے۔ عقائد حقہ مثلاً حیات انبیا، علم غیب اور اہل اللہ سے استمداد و استعانت وغیرہ (جن کی تردید کے لیے اہل باطل نے محاذ کھول رکھا ہے) کے سلسلے میں سواد اعظم اہل سنت وجماعت کا جو موقف ہے معراج مصطفیٰ سے اس کی زبردست تائید وتوثیق ہوتی ہے اور ایمان وانصاف کے ساتھ اس واقعہ کے تہ میں اتر کر غور وخوض کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ اہل سنت کے عقائد ونظریات بالکل حق اور سچ ہیں جن کو کسی بھی صورت میں جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

زیر تبصرہ کتاب "معراج مصطفیٰ ﷺ" روح پرور تفسیری فوائد اور ایمان افروز نکات کے ذخیروں سے مالامال ہے اور معراج النبی ﷺ سے متعلق اہم سوالات کے مدلل ومفصل جوابات سے لبریز ہے۔

ماریشس میں آپ نے پہلی کتاب "الفیضان" تصنیف فرمائی۔ یہ کتاب توسل بالانبیاء والاولیاء کے منکرین کی تردید میں ہے۔ اس کتاب پر حضور شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مبسوط مقدمہ لکھنے کے بعد تحریر فرمایا ہے:

"کتاب کے مصنف جناب مولانا محمد بشیر احمد نعیمی اہل سنت وجماعت کے بہت بابرکت علما میں سے ہیں۔ ذی استعداد، ذہین فطین، عالم باعمل ہیں۔ خوش اخلاق، ملنسار، خوش گفتار، خوش کردار، مخلص دیندار، خداترس، ملت کا درد رکھنے والے افراد میں سے ایک ہیں۔ ایک مدت تک ان کے فیض سے ہندوستان مستفیض ہوتا رہا اور اب ماریشس جنوبی افریقہ میں مقیم ہیں۔ اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے عوام وخواص میں ہردلعزیز وباوقار ہیں۔ وسعت معلومات کے ساتھ بہت عمدہ خطیب ہیں اور اس کتاب نے ثابت کردیا کہ ایک اچھے مصنف بھی ہیں۔ میری دعا ہے کہ مولیٰ عزوجل ان کو صحت وعافیت کے ساتھ مدت مدید تک قائم ودائم رکھے"۔

استاذ گرامی علامہ نعیمی نے زیر نظر کتاب بھی قیام ماریشس کے دوران تصنیف فرمائی۔ ماریشس کے اندر یہ کتاب پہلی بار ۱۹۸۵ء میں وہاں کی مادری زبان کرول (ٹوٹی ہوئی فرنچ) میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ اردو زبان میں اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۹۵ء اور دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد علامہ نعیمی نے اس کتاب پر نظر ثانی فرما کر اس میں تقریباً پچاس صفحات کا اضافہ فرمایا اور اب اس کا تیسرا ایڈیشن جدید اضافہ کے ساتھ اکتوبر ۲۰۱۷ء میں منصہ شہود پر جلوہ گر ہوا ہے۔ مذکورہ کتاب معراج مصطفیٰ ﷺ کا مفصل واقعہ سے لے کر ماہ رجب اور شب معراج کے فضائل تک کل ۶۴ سوالات اور ان کے مدلل ومفصل جوابات پر مشتمل ہے۔ مصنف کتاب نے واقعۂ معراج سے متعلق بڑے اہم اہم سوالات قائم کیے ہیں ان میں سے متعدّد سوالات ایسے ہیں جو اکثر وبیشتر غیر اہل سنت کی جانب سے معترضانہ انداز میں اٹھائے جاتے ہیں۔ بعد ازاں انتہائی محققانہ وفاضلانہ انداز میں ہر سوال کا جواب رقم فرمایا ہے۔ پہلا اور دوسرا ایڈیشن منظر عام پر آنے کے بعد کچھ اہل علم حضرات نے رفع اشکال کے لیے کتاب کی بعض عبارتوں کے سلسلے میں اعتراضات ظاہر کیے اور حضرت مصنف سے مراسلت کے ذریعہ ان کے جوابات بھی طلب کیا۔ آپ نے خندہ پیشانی اور بڑی ذمہ داری کے ساتھ ان کے جوابات بھی عطا فرمائے۔ تیسرے ایڈیشن میں مراسلات اور ان کے جوابات بھی شامل ہیں۔

کتاب کے آغاز میں فاضل جلیل مولانا مشتاق احمد قادری برکاتی بانی الجامعۃ البرکاتیہ للبنات کرشنا نگر نیپال نے "تعارف و تاثر" کے عنوان سے حضرت مصنف دام ظلہ العالی کی دینی خدمات کا جامع تجزیہ پیش کیا ہے۔ علامہ نعیمی صاحب نے اپنی اس اہم تصنیف کو حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی بانی جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے اسم گرامی سے منسوب کرکے حافظ ملت اور آپ کی تحریک سے والہانہ محبت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ کتب ماخذ ومراجع کی فہرست بھی شامل کتاب ہے۔ دیدہ زیب ٹائٹل، صاف ستھری کمپوزنگ وطباعت، تحقیق وتدقیق اور اپنے مشمولات ومضامین ہر اعتبار سے یہ کتاب خوب سے خوب تر ہے۔ کتاب کی طرز نگارش بالکل آسان اور عام فہم ہے۔ اس لیے یہ کتاب جہاں اصحاب علم ودانش اور خطبا وواعظین کے لیے ایک قیمتی تحفہ کی حیثیت رکھتی ہے وہیں کم پڑھے لکھے حضرات کے لیے بھی بہت کارآمد اور مفید ہے۔ ☆☆☆

مناقب در شان حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان

بلند آپ کا رتبہ ہے حافظِ ملت

گدا جو آپ کے در کا ہے حافظِ ملت
وہ ذرہ ہو کے بھی تارہ ہے حافظ ملت
یہ فیضِ صدرِ شریعہ ہے حافظِ ملت
بلند آپ کا رتبہ ہے حافظِ ملت
دیا جو تم نے ادارہ ہے حافظِ ملت
ہمیں وہ جان سے پیارا ہے حافظِ ملت
سکون شہرِ مدینہ سا شہرِ خواجہ میں
ہمیشہ آپ نے پایا ہے حافظ ملت
ہے ناز اس لئے ساحلؔ کو اپنی قسمت پر
تمھارے در کا یہ منگتا ہے حافظ ملت

نورالہدیٰ مصباحی ساحل گورکھپوری

....

ندیم دل میں ہمارے ہیں آج بھی زندہ

علوم دین کا دریا ہیں حافظ ملت
عطائے صدرِ شریعہ ہیں حافظ ملت
زمیں پہ کام ہی کرنا ہمارا مقصد ہو
سکھا گئے یہ طریقہ ہیں حافظ ملت
مٹا نہ پائے گا کوئی بھی اشرفیہ کو
کہ اس کے صحن میں خفتہ ہیں حافظ ملت
ندیمؔ دل میں ہمارے ہیں آج بھی زندہ
اگرچہ کر گئے پردہ ہیں حافظ ملت

از: ندیمؔ سلطانپوری

گلزارِ جامعہ ترے ایثار کی مثال

وہ دین کا محافظ و ملت کا پاسباں
ظلمت کدوں کو کر دیا ہے جس نے ضو فشاں

گمنام گاؤں بستی کو مشہور کر دیا
باطل کدوں کے حوصلوں کو چور کر دیا
اور تشنگانِ علم کو مخمور کر دیا
فیضان جس کا دھرتی پہ مانندِ آسماں

حسرت سے جس کو دیکھیں زمانے کے سب امیر
وہ تیری بارگاہ کا ادنیٰ سا ہے فقیر
اعلیٰ جہان بھر میں ترا ذرۂ حقیر
کرتے ہیں رشک تیرے گداؤں پہ سروراں

گلزار جامعہ ترے ایثار کی مثال
امجد علی کے فیض سے دولت ہے لازوال
واللہ تیرے عزم و تفکر کا ہے کمال
خونِ جگر کی سرخی ہے گل بوٹوں سے عیاں

شہزادہ تیرے نقشِ قدم پر ہے گامزن
فکر و عمل میں تیرا سراپا ہے پیرہن
سرسبز جس کے دم سے ہے ملت کا یہ چمن
جلوہ نما ہے جو کہ سرِ بزمِ عارفاں

الجامعہ کا صحن ہے تاروں کی انجمن
ہو چودھویں کا چاند وہ روضے کا اجلا پن
گنبد منار کا ہے نرالا ہی بانکپن
لگتا ہے آسمان سے اتری ہے کہکشاں

ناچیز ہوں میں عبدِ علی آپ کا گدا
مشہور ہے زمانے میں یہ سلسلہ مرا
بیمار غم ہوں اور مسیحا ہے تو مرا
للہ پھیرنا نہ نظر میرے مہرباں

از: عبدالعلی عزیزی

آسماں کرتا ہے جھک کر تیری عظمت کو سلام

قوم و ملّت کے محافظ ، عاشقِ خیر الانام
سب کی نظروں میں تھے یکساں قابلِ صد احترام
علم و فن کی جوئے شیریں کے وہی "فرہاد" تھے
آسمانِ علم و حکمت کے وہی ماہِ تمام
اہلِ ایماں پر کرم کے پھول برساتے تھے وہ
دشمنانِ دیں کے حق میں ایک تیغِ بے نیام
سادگی و عاجزی ، خُلق و شرافت بے مثال
پیکرِ صبر و رضا ، جود و سخا میں نیک نام
اسوۂ سرکار کا وہ اک چمکتا آئینہ
جو لیا کرتے نہیں دشمن سے اپنے انتقام
علم کی ہر شاخ پہ حاصل تھی ان کو دسترس
فقہ و منطق، فلسفہ ہو یا کہ ہو علمِ کلام
مردِ حق ، درویشِ کامل ، تاجدار معرفت
مَحرَمِ اسرارِ حق اور زہد و تقویٰ کے امام
ہر زباں پر ذکر تیرا، ہر قلم ہے مدح خواں
آسماں کرتا ہے جھک کر تیری عظمت کو سلام
اشرفیہ تیرے خوابوں کی حسیں تعبیر ہے
تشنگانِ علم ہوتے ہیں جہاں پر شاد کام
نورِ علمِ دین سے گھر گھر منوّر ہو گیا
نشرِ علمِ دیں کا ایسا کر گئے وہ انتظام
احمدِ خستہ جگر کی ہے یہی قلبی دعا
رحمتِ حق "تربتِ حافظ" پہ نازل ہو مدام

از: محمد طفیل احمد مصباحی

صدائے بازگشت

طلبۂ مدارس کو روحانی غذا کی ضرورت

مکرمی! سیر و تفریح کی غرض سے میں اپنے دوست کے ساتھ لکھنؤ گیا- وہاں سے واپسی کے دوران بارہ بنکی میں رکنے کا اتفاق ہوا- میرے دوست نے بتایا کہ اسٹیشن سے چند کیلو میٹر کے فاصلے پر مسولی شریف ہے- ہمارے علاقے کے بہت سے طلبہ وہاں زیر تعلیم ہیں- تو کیوں نہ آج کی شب ہم سرکار مسولی سید اسمٰعیل شاہ واسطی قادری رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ان کے روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہو لیں- چوں کہ گاڑی بھی لیٹ تھی، اس لیے میں نے بھی بلا کسی تاخیر کے ارادہ بنالیا اور کچھ ہی دیر بعد ہم سرکار مسولی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے- ان کے نورانی روضے کی زیارت سے شاد کام ہونے کے بعد ہم نے * الجامعۃ الاسمٰعیلیہ * مسولی شریف میں قیام کیا- جو سرکار مسولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بابرکت نام سے منسوب اور آپ کے روضہ مبارک سے متصل ایک عظیم دینی قلعہ ہے- جس کے روح رواں پیرِ طریقت حضرت سید شاہ گلزار اسمٰعیل واسطی قادری مدظلہ العالی ہیں- موصوف مدظلہ نے اپنی کڑی محنت و مشقت سے بہت مختصر عرصے میں اس جامعہ کو شاہراہ ترقی پر لا کھڑا کر دیا ہے- اور آج دو سو سے زائد تشنگان علم اس علم و معرفت کے چشمے سے سیراب ہو رہے ہیں- صبح بیدار ہو کر ہم نے باجماعت نماز فجر ادا کی- نماز کے بعد ہم نے وہاں کے طلبہ کے درمیان ایک ایسی چیز دیکھی جو آج کل طلبہ مدارس کے اندر بہت کم یا پھر نہ کے برابر دیکھنے کو ملتی ہے- اور جس سے طلبہ کو وہ روحانی طاقت و قوت فراہم ہوتی ہے، جو انہیں کائنات کو مسخر کر لینے کا حوصلہ اور جذبہ عطا کرتی ہے اور طالبِ علم اس طاقت کے ذریعہ ہر محاذ پر کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوتا ہوا نظر آتا ہے- ہم نے وہاں دیکھا کہ نماز فجر کے بعد تمام طلبہ و اساتذہ مسجد ہی میں ذکر کی مجلس میں بیٹھ جاتے ہیں- اور اللہ اللہ، لا الہ الا اللہ اور محمد الرسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم جیسی صدائے دل نواز سے اپنے قلوب و اذہان کی صفائی کا اہتمام کرتے ہیں- ہم نے بھی اس مجلس میں شریک ہو کر اس کے انوار و تجلیات سے دل کے نہاں خانے کو منور و تاباں کرنے کی کوشش کی- لیکن ہم نے محسوس کیا کہ ہمارے دل گناہوں کی وجہ سے اتنے سیاہ ہو چکے ہیں کہ اسے پانچ دس منٹ کے ذکر و مجاہدہ سے کیا ہونے والا ہے-

اور اس لیے کہ آج ہم طرح طرح کی برائیوں میں مشغول ہیں اور دن بھر میں نہ جانے کتنے گناہ ہم سے سرزد ہوتے ہیں- اس کے باوجود ہم پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی طلب نہیں کرتے یہ کتنے دکھ کی بات ہے- اور طلبہ مدارس، کہ مستقبل میں جن کے ناتواں کاندھوں پر امت مسلمہ کی قیادت و رہنمائی اور دینِ اسلام کی حفاظت و صیانت کا بارِ گراں آنے والا ہے- اس لحاظ سے عام لوگوں کی بنسبت طلبہ مدارس کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے- لیکن کیا طلبہ مدارس کو اپنی اس ذمہ داری کا احساس ہے ؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں ؟ ہم پڑھتے لکھتے تو بہت کچھ ہیں، اسی طرح ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم ہی مستقبل کے مذہبی قائدین ہیں، اور ہم ہی وہ ہیں کہ جن کے سروں پر "العلماء ورثۃ الانبیاء" کا تاجِ زریں رکھا گیا ہے- لیکن پھر بھی ہم اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے کما حقہ اسے ادا کیوں نہیں کرتے ؟ اگر ہم خود بے راہ روی کے شکار ہوں گے تو پھر ہم اپنی قوم کی رہبری کیسے کر سکیں گے ؟ اگر ہم قوم کے مخلص اور مضبوط لیڈر بننا چاہتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے تمام گناہوں سے پاک و صاف اور علم کے ساتھ اپنے اندر عمل بھی پیدا کرنا ہوگا- اور ساتھ ہی سیرت نبوی صل اللہ علیہ وسلم کا بہترین نمونہ بھی بننے کی ضرورت ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں ایسا بہت کم ہو پا رہا ہے- لیکن ایسا کیوں نہیں ہو پا رہا ہے ؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم طلبہ کو علم کے ساتھ علم کو محفوظ کرنے اور اس کو جلا بخشنے کے لیے روحانی غذا فراہم نہیں ہو پاتی ہے، اور یہ ہماری بد عملی کا نتیجہ ہے کہ ہم اس سے محروم ہیں- کیوں کہ ہمیں کلاس کے علاوہ اور کسی چیز سے کوئی سروکار ہی نہیں- ہم کوئی ایسا عمل کرنا ہی نہیں چاہتے کہ جس سے ہمیں روحانی طاقت و قوت حاصل ہو- ہم صرف اپنی محنت اور ذہانت کے بل بوتے پر کامیابی حاصل کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں- بلاشبہ کامیابی کے حصول میں محنت و مشقت اور ذہانت کا دخل ہے، لیکن کامیابی کے حصول میں محنت و جفاکشی اور ذہانت سے کہیں زیادہ فضل خداوندی اور بزرگوں کا فیضان اہم رول ادا کرتا ہے- یاد رکھیں! آپ لاکھ علوم و فنون سیکھ لیں، علامۃ الدہر بن جائیں لیکن اگر آپ پر اللہ کا فضل نہ ہو تو پھر آپ علامۃ الدہر ہونے کے باوجود کچھ نہیں کر سکتے- آپ سے کوئی دینی خدمت انجام نہیں پا سکتی- کیوں کہ بے عمل اور بد کردار عالم جب اپنے علم سے خود کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا تو پھر اپنی قوم اور دین کو کیا فائدہ پہنچائے گا- اس سلسلے میں الجامعۃ الاسمعیلیہ مسولی شریف کا نظام ہمیں بہت اچھا لگا کہ وہاں کے طلبہ علم کے

ساتھ ذکرواذکار کے ذریعہ روحانی غذا بھی حاصل کررہے ہیں- جو بلاشبہ ان پر خاص توفیقِ الٰہی کا ثبوت ہے- اور اس سے ان کے اندر بہت سے کمالات اور خوبیاں بھی پیدا ہو رہی ہیں- لہذا ہم طلبہ بھی جہاں کہیں بھی زیرِ تعلیم ہیں، روحانی غذا کے حصول کے لیے کبھی کبھی یا دن میں ایک دو لمحہ کے لیے وقت نکال کر ذکرواذکار کی مجلسیں منعقد کریں اور یکسوئی کے ساتھ اپنے رب کو یاد کرکے اس سے اس کا فضل مانگیں- یوں ہی اوراد وظائف سے اپنے دل کو پاک وصاف کریں- اس لیے کہ اگر دل پاک وصاف ہو گیا تو پھر تعلیم اور میدان عمل میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آ سکتی- یوں ہی دل صاف ہونے کے بعد ہم جو پڑھیں گے وہ ہم پر اثرانداز بھی ہو سکے گا- فقط

کلیم اشرف رضوی مظفر پوری
متعلّم: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ *

انتشار نہیں پیار و محبت کو فروغ دیجیے

مکرمی! ملک میں مسلمانوں کے تئیں حالات کس قدر خراب ہیں وہ روز روشن کی طرح عیاں ہیں اور آج کے اس سوشیل میڈیا کے دور میں تو پل پل کی خبروں سے ہر کوئی واقف ہے مگر خبروں کی کثرت نے ہمیں کان ہوتے ہوئے بہرا، اور آنکھ ہوتے ہوئے اندھا بنادیا ہے کہ خبریں بھی اب بے اثر ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہیں، پہلے بے خبر ہونے کا الزام لگایا جاتا رہا ہے مگر اب خبروں کی کثرت نے مسلمانوں کے بے خبر ہونے کا بہانہ تلاش کر دیا ہے، پہلے کہیں کوئی واقعہ رونما ہوتا تو لوگوں کے دل کلیجے ہل جاتے تھے اور اب دل کلیجوں کے ہلا دینے والے واقعات کی اتنی کثرت ہو گئی ہے کہ دل کلیجہ تو کیا ہاتھ اور پیر بھی نہیں ہلتے، ہماری زندگی میں کوئی خاصہ فرق نہیں پڑتا ہے، طرفہ یہ کہ بھیڑیوں کی چال چلنے کا خودستائی کا ذوق ہمیں اور غافل بنا رہا ہے، دیکھا یہ جا رہا ہے کہ اگر ملک کے کسی کونے میں کوئی تنظیم یا ادارہ کچھ اچھا کام کرتا ہے اور اس پر اہل علم و خرد کے اچھے تاثرات چھپتے ہیں تو دیگر ادارے بھی وہی کام کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ایک دوسرے کے کام کی برائی بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں، جبکہ ہونا یہ چاہئے کہ اگر کوئی تنظیم ایک کام کرتی ہے تو تمام تنظیموں کو اس تنظیم کے کام کو سینٹرلائز کرنے میں مدد کرنی چاہیے اور وہ کام کرنا چاہیے جو کام اب تک نہیں ہو رہا ہے، مثلا اگر کوئی تنظیم اسلامی شعار اور شخصیتوں کی شان میں گستاخی کرتی ہے تو ایک تنظیم کو اس طرح کے کام کے لیے وقف کر دینا چاہیے اور تمام تنظیموں کو اس کا بیک سپورٹ کرنا چاہیے، کوئی تنظیم تعلیمی کام کرتی ہے تو اس میں اس کی خصوصیت اور شفافیت کی حمایت کرنی چاہیے اور مسلم معاشرے میں تعلیمی کام کو فروغ دینے میں تعاون کرنا چاہیے، اگر کوئی تنظیم اصلاح خواتین کا کام کرتی ہے تو ملک کے ہر کونے سے اس کی حمایت ہونی چاہیے، اس طرح پورے ملک میں تنظیمی کاموں کا جال بچھ جانا چاہیے، اگر مسلمانوں کے ہر محاذ پر مخصوص ادارے ہو جائیں بھی جاکر مسلمانوں کا بھلا ہوگا، جب تک مسلمان اپنے جماعتی اور انفرادی کاموں میں انفرادی شناخت بنانے میں ناکام رہیں گے تب تک مسلمانوں کا بھلا ہونے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا، ہر شخص ہر کام میں مہارت رکھنے کا حق رکھے اور مہارت حاصل بھی کرے مگر ہر کام میں انفرادی شناخت بنانے کی کوشش کرے کہ مثال دی جائے۔ اگر ہم اس طرح مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ کام کیے تو انشاء اللہ غیروں کے بے جا خدشات حقیقی شکل میں نظر آئیں گے اور ہم محاذ میں نمائندگی کرنے کا حق حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

از: مولانا محمد اختر علی واجد القادری
جامعہ اسلامیہ یتیم خانہ نیا نگر میرا روڈ ممبئی

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں

مکرمی! ابھی وطنِ عزیز میں سنجے لیلا بھنسالی کی فلم پدماوت کو لے کر ہنگامہ تھما بھی نہیں تھا کہ گذشتہ ماہ ۲۶/ جنوری کو فرقہ وارانہ فساد میں کاس گنج جل اٹھا، در اصل ہندوستان کی تاریخ میں جشن جمہوریہ سے متعلق یہ وہ منفرد واقعہ ہے، جس سے تقریباً ۷۰/ سالہ آزاد بھارت کی تاریخ خالی ہے۔ یہ بات تو بالکل درست ہے کہ ہر ہندوستانی یومِ جمہوریہ کو مسرت کا موقع خیال کرتا ہے۔ وہ حضرات جو بھوک سے لڑ رہے ہیں، جنھیں غربت و افلاس کی بھٹی میں جلنا پڑ رہا ہو اور جنھیں حالات کی سفاکی سے پنجہ آزمائی کرنی پڑ رہی ہو، وہ بھی اس موقع پر خوشیوں کے شادیانے بجاتے ہیں، یقیناً یہ ہندوستانی تاریخ کا اہم حصہ ہے۔ لیکن اس مرتبہ ۲۶/ جنوری کی ساری خوشیاں کافور ہو گئیں۔ ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے جمہوریت کے مستقبل پر سوالیہ نشان لگا کر اس کی فرحت و انبساط کو ماتم میں تبدیل کر دیا۔ کاس گنج میں ویر عبدالحمید چوراہے پر اقلیتی طبقہ کے لوگ جب ترنگا لہرانے کی تیاری کر رہے تھے، وہ ترنگے کو سلامی دینے کے لیے تیار تھے کہ اسی اثنا میں

بائک پر سوار ہندوتوا کی ایک ایسی بھیڑ آئی جس کے ہاتھ میں ترنگے کے ساتھ ساتھ بھگوا جھنڈے اور زبان پر جے شری رام کے نعرے اچھل رہے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کو ہراساں کرنے کے لیے ”ہندو، ہندوستان، ملا بھاگو پاکستان“ جیسے نفرت انگیز جملے بھی تھے، جب ان سے کہا گیا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو کر جمہوریت کا نمونہ پیش کریں تو وہ مزاحمت پر اتر پڑے اور بھگوا جھنڈا لہرانے کی کوشش کرنے لگے۔ معاملہ اتنا طول پکڑ گیا کہ گولیوں کی برسات ہونی شروع ہوگئی جس میں چندن نامی ایک شخص کی موقع پر ہی موت ہوگئی اور اکرم حبیب نامی شخص کو ایک آنکھ قربانی دینی پڑی۔

لیکن اس موقع پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر میڈیا نے اس واقعہ کی تشہیر میں اس غیر جانب دارانہ رویہ کو کیوں اختیار کیا، جس سے شرپسندوں کے قلب میں چھپی ہوئی نفرت کی چنگاری آتش فشاں بن گئی اور پورا کاس گنج سلگ اٹھا، آخر کس قاعدہ کے تحت آر ایس ایس سمیت دیگر فرقہ پرست تنظیموں کو اتنی کھلی چھوٹ مل گئی ہے کہ وہ جب چاہیں مسلم اکثریتی بستیوں کو پھونک دیں، دُکان و دیگر املاک نذر آتش کر دیں، پھر پولیس محکمے کے ذریعہ انھیں بے چاروں اور بے گناہوں کو جیل کی سلاخوں میں ڈال دیا جائے۔

مذکورہ گفتگو کے تحت یہ بات تو بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اب وطنِ عزیز کی قسمت میں شاید وہ دن آنے میں کچھ زیادہ وقت نہیں ہے، جب اس کی جمہوریت کو آمریت میں تبدیل کر دیا جائے گا اور زمامِ حکومت فسطائی طاقتیں ہتھیالیں گی۔ اخوت و محبت جیسے خوب صورت رشتوں میں انتشار و افتراق کا زہر تحلیل کر دیا جائے گا اور پھر بے چینی و اضطرابی کا ایسا دور شروع ہوگا جس میں اقلیتی طبقہ سانس لینے میں بھی گھٹن محسوس کرے گا۔ اس لیے اب میں دانش وران قوم و ملت سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ خدارا، ابھی بھی وقت ہے کہ آپ ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا رہنے کے بجائے کچھ ایسی تدبیر کچھ ایسی تدبیر اختیار کریں، جس سے اس بھگوا پرستوں کو لگام دیا جا سکے اور ملک کی سالمیت کو پارہ پارہ ہونے سے بچایا جا سکے، اور خاص کر ایسے پر آشوب دور میں مسلم طبقہ جہاں کہیں بھی ہو (سفر ہو یا حضر) وہ ہر جگہ حکمت و حسنِ تدبیر سے کام لیں اور خون کے آنسو رونے کے بجائے صلح و مصالحت کی ایسی راہ نکالیں جس سے فسطائی طاقتوں کو منہ توڑ جواب دیا جا سکے۔

از: محمد وزیر احمد (بانکا)، متعلّم جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(ص:۴۲ کا بقیہ)......اور نہ ہی کسی مطالبات کے لیے انھیں جلسہ و جلوس کا اہتمام کرنا پڑے گا۔

العرض اقوام عالم میں عورت کی حیثیت انتہائی افسوسناک تھی۔ یونان، انگلستان، جرمنی، چین یا ہندوستان ہو ہر جگہ اس کی شخصیت ایک ایسا ہیولا لے کر ابھری جو انسان نہیں بلکہ ایک کٹھ پوتلی کی طرح مردوں کے اشاروں پر ناچتی تھی۔ مفکروں اور دانشوروں نے بھی عورتوں کے متعلق جو نظریات پیش کیے ہیں وہ بھی روح فرسا اور بے رحمی و سفاکی کی انتہا ہے۔ عرب کے لوگ تو اس سے بھی دو قدم آگے تھے ان لوگوں نے عورت کو ہی صفحہ ہستی سے مٹانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ بچیوں کو دفن کرنا بھی اسی کا نتیجہ تھا۔ اس گھٹا ٹوپ ظلمت کدہ میں نبی آخر الزماں، ہادیِ برحق محمد رسول اللہ ﷺ کا رحمت اللعالمین کا زریں تاج پہن کر تشریف لانے سے نہ صرف بنی نوع انسانی کے لیے بلکہ پوری کائنات کے مخلوقات کے لیے رحمت، عظمت اور برکت کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جو قیامت تک چلتا رہے گا۔

نوٹ۔ قرآن پاک کی آیتوں کا ترجمہ کنزالایمان سے ماخوذ ہے۔

حوالہ جات

۱،۲۔ نذر ذاکر، پروفیسر زبیر صدیقی، صفحہ ۳۸۲

۳۔ عورت اسلام کی نظر میں، البہی الخولی، صفحہ ۲۱

۴۔ نذر ذاکر، پروفیسر زبیر صدیقی، صفحہ ۳۸ ۵۔ ایضاً، صفحہ ۳۸۵

۶۔ ایضاً، صفحہ ۳۸۴ ۷۔ ایضاً، صفحہ ۳۸۲ ۸۔ ایضاً صفحہ ۳۸۴

۹۔ عورت اسلام کی نظر میں، البہی الخولی، صفحہ ۲۱

۱۰۔ عورت اسلامی معاشرے میں، سید جلال الدین عمری، صفحہ ۲۴

۱۱۔ نذر ذاکر، پروفیسر زبیر صدیقی، صفحہ ۲۴ ۱۲۔ ایضاً، صفحہ ۳۸۸

۱۳۔ قرآن حکیم، سورہ نحل ۵۹۔۵۸ ۱۴۔ قرآن حکیم، سورہ نساء:۱

۱۵۔ قرآن حکیم، سورہ نساء:۳۲

۱۶۔ قرآن حکیم، ال عمران:۱۹۵ ۱۷۔ قرآن حکیم، سورہ نحل :۹۷

۱۸۔ قرآن حکیم، سورہ الاحزاب :۳۵ ۱۹۔ قرآن حکیم، سورہ بقرہ :۲۲۸

۲۰۔ قرآن حکیم، سورہ بقرہ :۱۸۷ ۲۱۔ قرآن حکیم، سورہ نساء :۱۹

معاون کتب: ☆عورت اور آزادی، علامہ غلام مصطفی قادری ☆اسلام میں عورت کا مقام، علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی ☆عورت تقدیس ملت، محمد اسمٰعیل بدایونی ☆ خاتون اسلام، الشیخ ابوبکر الجزاری، ترجمہ سعید احمد قمر الزماں ☆ہند و پاک میں خواتین ناول نگار، غلام محی الدین سالک ☆☆

خیر و خبر

تین طلاق کا مجوزہ قانون شوہر کو ناکردہ گناہ کی سزا

تنظیم نقش بندیہ کے زیر اہتمام منعقد رحمتِ عالم ﷺ کانفرنس وجشن غوث الوریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مولانا مبارک حسین مصباحی کا خطاب

سلسلۂ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور دیگر تمام سلاسل کا منبع و سرچشمہ حضور ﷺ کی بلند پایہ ذات گرامی ہے۔ سلسلۂ نقش بندیہ کے پہلے بزرگ خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ہے۔ آپ امتِ محمدیہ میں سب سے اعلیٰ اور بلند مقام رکھتے ہیں، پہلے اس سلسلے کو سلسلۂ صدیقیہ کہا جاتا تھا، اس کے بعد بھی یکے بعد دیگرے متعدّد بزرگوں کے نام سے متعارف ہوا، اس کے بعد شیخ طریقت حضرت شاہ بہاء الدین نقشبند بخاری قدس سرہ العزیزی نے اس کو فروغ دیا، اس کے بعد سلسلۂ نقش بندیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ مذکورہ خیالات کا اظہار مفکر اسلام مولانا مبارک حسین مصباحی نے تنظیم نقش بندیہ کے زیر اہتمام بھیلی بازار پورہ دیوان میں منعقد ۱۴ر واں سالانہ رحمتِ عالم کانفرنس وجشن غوث الوریٰ سے سلسلۂ نقش بندیہ اور اس کے فیوض و برکات کے عنوان پر خطاب کرتے ہوئے کیا۔ حضرت مولانا مصباحی نے کہا کہ ہندوستان میں یہ سلسلہ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی کے ذریعہ آیا، امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ان کے سب سے بڑے خلیفہ تھے۔ مجدد الف ثانی نے جلال الدین اکبر کے دینِ الٰہی کے خلاف محاذ آرائی کی، اکبر کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوا اور مجدد الف ثانی کو دشمنوں کے کہنے پر جیل میں ڈلوا دیا، آپ داعیِ حق و صداقت تھے، جیل میں بھی قیدیوں کی صلاح وفلاح کا کارنامہ انجام دیا اور سارے لوگوں کو اسلام وسنیت کا حامل اور اکبر کے دینِ الٰہی کا شدید مخالف بنا دیا۔ مولانا نے کہا: مجدد الف ثانی کے بڑے بیٹے بہت بڑے صوفی اور عالمِ ربانی تھے، سلطان اورنگ زیب عالم گیر انھیں کے مرید و خلیفہ تھے، آپ وسیع ممالک پر حکمرانی کے ساتھ اپنے عہد کے عظیم مجدد بھی تھے، آپ کا عظیم کارنامہ فتاویٰ ہندیہ، یعنی فتاویٰ عالم گیری کا مدوّن کرانا بھی ہے، آپ انتہائی نیک صالح بزرگ اور سلطان تھے۔

آپ نے صاحبِ عرس امام الاولیا حضرت سید شاہ محمد قاسم میاں جیلانی قادری نقشبندی قدس سرہ العزیز کے فضائل و مناقب بھی بیان فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کے نام ور فاضل اور شیخِ طریقت بزرگ تھے۔

حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے کہا کہ ہندو مسلم فسادات، مسلمانوں کو بلا جرم گرفتار کرنا اور دہشت گردی میں عام طور پر مسلم تنظیموں اور نامور مسلمانوں کا نام آنا ایک عام سی بات ہوگئی ہے۔ دہشت گردی ایک انتہائی بدترین جرم ہے، اس کا تعلق نہ کسی مذہب سے ہوتا ہے اور نہ کسی مخصوص قوم سے، دہشت گرد ہندو اور مسلمان بھی ہو سکتے ہیں، سکھ، کرسچین اور یہودی بھی ہو سکتے ہیں اور مذہب دشمن عناصر بھی۔ اسلام ایک مقدس اور پاکیزہ مذہب ہے، اس نے ہر دور میں امن و سلامتی، پیار و محبت کے پیغام کو عام کیا ہے۔

حضرت مولانا مصباحی نے کہا: تین طلاق کا مسئلہ طلاق دینے کے اعتبار سے اگرچہ انتہائی ناپسندیدہ ہے، مگر قرآن واحادیثِ نبویہ اور چاروں مسالکِ فقہ نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ یہ طلاقیں پڑ جائیں گی، مگر بعض خود غرض لوگوں نے صرف حکومت کو خوش کرنے کے لیے اس مسئلہ کو سپریم کورٹ میں بھیجا، پانچ رکنی آئینی بنچ نے اس پر فیصلہ سنایا جو سامعین کے نقطۂ نظر سے خود متضاد ہے۔ اس فیصلہ میں یک نشست تین طلاق کو کالعدم بھی قرار دیا ہے اور دو ججوں نے اس کو مسلم پرسنل لا حصہ بھی بتایا ہے، سپریم کورٹ پورے ملک کا انتہائی قابلِ احترام شعبہ ہے، لوک سبھا میں انتہائی مضحکہ خیز بل منظور کیا گیا، طلاق ثلاثہ بیک بیک نشست جن کا سپریم کورٹ کی روشنی میں کوئی مطلب نہیں، اس کے باوجود لوک سبھا میں ایک نشست میں تین طلاق دینے والے کو تین سال کی سزا۔ حاکم کے فیصلہ کے مطابق جرمانہ اور بیوی بچوں کے نان ونفقہ کا انتظام بھی کرنا ہے۔ یہ دنیا کی پہلی سزا ہے جو جرم کے بغیر لوک سبھا میں زبردستی منظور کی گئی ہے۔

اس عظیم الشان پروگرام کی سرپرستی شیخِ طریقت شہزادۂ امام الاولیا حضرت سید شاہ حامد حسن جیلانی سجادہ نشیں درگاہ حضوریہ خانقاہ حسنی حضوری سریا شریف ضلع اعظم گڑھ نے فرمائی۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے نبیرۂ حافظِ ملت حضرت مولانا شاہ محمد نعیم الدین عزیزی جلوہ گر تھے۔ ان کے علاوہ مولانا فاروق نظامی، مفتی محمد شاہد اور ضیاء المصطفیٰ نے بھی خطابات کیے۔ پروگرام کا آغاز قاری ریاض احمد کی تلاوت قرآن سے

ہوا،اس کے بعد امیر حمزہ اور شبیر عزیزی نے نعت پاک کانذرانہ پیش کیا۔ پروگرام کی صدارت سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی پرنسپل جامعہ اشرفیہ اور نظامت مولانا قیصر اعظمی نے کی۔ قیادت مولانا نعیم اختر خطیب وامام جامع مسجد راجہ مبارک شاہ نے کی، آخر میں قل شریف اور صلوٰۃ وسلام اور سید شاہ حسن جیلانی کی رقت انگیز دعا پر جلسہ اختتام پزیر ہوا۔ اس موقع پر علما، حفّاظ اور عوام الناس کثیر تعداد میں موجود تھے۔

مجلسِ استقبالیہ کے ارکان حسب ذیل ہیں:

جناب محمد اسعد، جناب محمد اسماعیل، جناب غوث القمر، جناب عرفان احمد، جناب نوشاد احمد، جناب حاجی مشتاق احمد، جناب علاؤالدین زم زم، جناب سخاوت اللہ، جناب معین الدین قریشی، جناب علی اصغر، جناب نسیم احمد۔

تنظیم نقش بندیہ طعام اور شیرنی کا بھی وسیع پیمانے پر اہتمام کرتی ہے۔

از: رحمت اللہ مصباحی
نمائندہ روز نامہ انقلاب، لکھنؤ

ضلع اعظم گڑھ میں عظیم الشان دینی پروگرام

۲۹/ جنوری ۲۰۱۸ء کو بعد نماز عشاء کٹیاں اراضی، دیوار، کوکھٹیاں، ضلع اعظم گڑھ میں عظیم الشان دینی پروگرام ہوا، صدارت حضرت حافظ و قاری عبد الجبار واسطی سریا شریف نے فرمائی، قاری بدر الدین کی تلاوت قرآن عظیم سے آغاز ہوا، بارگاہ رسول ﷺ میں نعتیں پیش کرنے والوں میں نظام الدین ابراہیم پوری اور قاری بدر الدین کے نام نمایاں ہیں۔ پروگرام کا اہتمام فرما رہے تھے جناب گلشاد۔ پروگرام جب شباب پر پہنچا تو قریب ۱۰/ بج کر ۳۰/ منٹ پر مفکر اسلام، خطیب عصر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کرسیِ خطابت پر جلوہ گر ہوئے، آپ نے پہلے تو صاحبِ چہلم الحاج صغیر احمد مرحوم کا مختصر تذکرہ کیا اور اس کے بعد اولیاے کرام کے مقامات پر بھرپور روشنی ڈالی، آپ نے فرمایا: تصوف کے چار معروف سلاسل ہیں، سلسلۂ قادریہ، سلسلۂ چشتیہ، سلسلۂ نقشبندیہ اور سلسلۂ سہروردیہ، ان چاروں سلاسل کے ذمہ دار مشائخ میں باہم بے پناہ محبتیں تھیں، اسی طرح دیگر تمام سلاسل میں ان سے اور دیگر سلاسل سے حد درجہ محبتیں تھیں۔ آپ نے سلسلۂ قادریہ اور سلسلۂ چشتیہ کے فضائل و مناقب کے بعد سلسلۂ نقش بندیہ پر گہری روشنی ڈالی۔ آپ نے مزید فرمایا کہ یہ سلسلہ خاکِ ہند میں غالباً حضرت شاہ خواجہ باقی باللہ دہلوی قدس سرہ العزیز کی وسیع خدمات کے نتیجے میں پہنچا۔ آپ کے سب سے بڑے خلیفہ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ العزیز ہیں۔ انھوں نے جلال الدین اکبر کے باطل دینِ الٰہی کے خلاف فاتحانہ جنگ فرمائی، حضرت مولانا مصباحی نے ”دینِ الٰہی“ کی بھی تفصیل بیان فرمائی۔ آپ نے اپنے خطاب میں مزید فرمایا: حضرت مجدد الف ثانی سلطان الہند خواجۂ خواجگاں حضرت سید شاہ معین الدین حسن سنجری چشتی کی درگاہ میں ہر چھٹی شریف میں حاضر ہوتے، آخری سفر میں حضرت خواجہ غریب نواز کے مزار اقدس کی چادر شریف آپ کو دی گئی اور اسے آپ نے اپنے کفن کے لیے محفوظ کرا دی۔ اسی طرح غوث الاغواث، حضرت سیدنا غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی بھی آپ پر اپنی بے پناہ نوازشات فرماتے تھے۔

آپ کے بعد حضرت مولانا بدر عالم اعظمی نے درود شریف کے فضائل و مناقب پر مختصر خطاب فرمایا۔ انتہائی خوشگوار روحانی اور عرفانی ماحول میں اجلاس اختتام پزیر ہوا۔

اجلاس میں متعدد علماے کرام اور مقامی حضرات نے دل چسپی لی، خاص طور پر الحاج صغیر احمد مرحوم کے صاحب زادگان اور ان کے برادر گرامی محترم علی شاد عطاری نے پروگرام کے نظم و نسق میں اپنے حسنِ اہتمام کا مظاہرہ فرمایا۔

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

-----(۱)-----

مفتی عابد حسین مصباحی

مدرسہ فیض العلوم، دھتکی ڈیہ، بسٹوپور، جمشید پور (بہار)

-----(۲)-----

ریحان سوٹ گھر

شاپ نمبر (۲۳)، نئی سڑک، حافظ لنگڑے کی مسجد، بنارس

-----(۳)-----

مولانا محمد ابوبکر

مدرسہ سراج العلوم لطیفیہ، نہال گڑھ، جگدیش پور، سلطان پور (یوپی)

-----(۴)-----

حافظ ظہیر احمد

استاذ مدرسہ ندائے حق، جلال پور، امبیڈکر نگر (یوپی)